۱۴۳۶ھ

خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ

حِلّیَّہ

فیصل آباد پاکستان

محرم الحرام ۱۴۳۶ھ بمطابق نومبر 2014ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ

ترجمہ: تحقیق تعداد مہینوں کی نزدیک اللہ کے بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں

كل عام وأنتم بخير

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

قطب الاقطاب حضرت سیّد نفیس الحُسینی شاہ صاحب قدس سرّہٗ

اُسوۂ شبّیر رضی اللہ عنہ

گُونج اُٹھے اَرض و سماء نعرۂ تکبیر کے ساتھ
رَن میں نِکلا کوئی سُونْتی ہُوئی شمشیر کے ساتھ

ایک بجلی سی چمکتی ہَے پسِ پردۂ ابر
ایک ظُلمت سی اُلجھنے کو ہَے تنویر کے ساتھ

ہر قدم اُٹھتا ہَے اِسلام کی عظمت کے لیے
دَم بَدم بڑھتا ہَے اللہ کی تکبیر کے ساتھ

یہ تو پھر خُونِ جگر گوشۂ پیغمبرؐ ہَے
عرش ہِل جاتا ہَے اِک آہ کی تاثیر کے ساتھ

خاک اور خُون میں لتھڑے ہُوئے جانبازوں سے
پیش آتی ہَے مَشیّت بڑی توقیر کے ساتھ

اپنے اللہ کا صَد شُکر اَدا کرتا ہُوں
جس نے وابستہ کیا دامنِ شبّیر کے ساتھ

(۷۱-۱۳۷۴ھ/۵۲-۱۹۵۵ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خانقاہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

مِلّیہ

فیصل آباد پاکستان

محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

شمارہ نمبر 1 جلد نمبر 11

بمطابق نومبر 2014ء

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی صاحب
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر: مولانا حماد الرحمن لدھیانوی

نائب مدیر: مولانا جواد الرحمن لدھیانوی

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے

فہرست مضامین

فی شمارہ 30 روپے

پاکستان میں سالانہ 300 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 45 امریکی ڈالر

رابطہ کیلئے

ماہنامہ مِلّیہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد پاکستان 041-8711569, 0321-6611910

ناشر: حبیب الرحمن لدھیانوی

مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

کلمۃ الحبیب

ملالہ کے لئے نوبل انعام

تہذیب نو کا نیا پیغام

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ملالہ کو نوبل انعام کیا ملا، یار لوگوں کی تو باچھیں کھل گئیں، ان کے وارے نیارے ہوتے نظر آ رہے ہیں، کیونکہ انہوں نے بڑی مشکل سے یہ چوٹی سر کی ہے۔ اسلام، ملک وملت سے غداری ان کے خون میں رچی بسی ہوئی ہے۔

جھگڑا تعلیم پر نہیں بلکہ تہذیب پر ہے جس کو تعلیم کے نام پر مسلمانانِ عالم پر مسلط کیا جا رہا ہے۔ ملالہ تو ایک ذریعہ ہے جس کو نوبل انعام دیکر عالمی سطح پر اُچھالا جا رہا ہے۔ اصل کام تو کچھ اور ہے، وہ ہے عالمی ایجنڈا، جس کے ذریعہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کو دینی شناخت سے بددل کر کے بے راہ روی کی طرف ڈالنا۔ انہیں معلوم ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل جو کہ اب ماں باپ بن چکی ہے اس کو راہ راست سے، راہ حق سے ہٹانا قدرے مشکل ہے مگر انہی کی اولادوں کو خوبصورت اور سہانا مستقبل دکھا کر اپنے جال میں پھنسایا جا رہا ہے۔ برصغیر میں اس سے پہلے بھی ایسا ہی کھیل کھیلا جا چکا ہے، جو کہ کامیاب رہا، اور اب پھر نت نئے ہتھکنڈوں سے لیس ہو کر کفر میدان میں آ چکا ہے۔ اس کے پہلے سے پالتو اب اس کی سوچ وفکر کو آگے بڑھانے میں رات دن لگے ہوئے ہیں۔ ملالہ جو کہ پہلے ہی ایک متنازعہ کردار کی حامل ہے، اسی کو آگے لایا جا رہا ہے۔ کفر کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ پاکستان میں سے ایسے افراد کو چُن کر انعام سے نوازتا ہے جو کہ پہلے ہی سے وطن عزیز میں شک کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، جن کی وفاداریاں اسلام سے زیادہ کفر کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ ملالہ سے پہلے بھی پاکستان سے ایک ایسے شخص کو نوبل انعام دیا گیا تھا جس کے پورے گروہ کی پاکستان سے وابستگی مشکوک تھی۔ وہ تھا ڈاکٹر عبدالسلام، جو کہ قادیانی تھا۔ اور اس کے متعلق یہ کہا گیا کہ وہ پہلا پاکستانی اور

پہلا مسلمان ہے۔وہ پہلا پاکستانی تو ہوسکتا تھا مگر پہلا مسلمان نہیں۔مگر میڈیا کے ذریعہ اس کو بار بار مسلمان کہا اور لکھا گیا۔اس پر اس زمانہ میں احتجاج ہوا،اور یاد دلایا گیا کہ اس طبقہ کو پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے قانوناً غیر مسلم قرار دیا ہے۔اس واقعہ پر اس وقت پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بانی ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بھی اپنے ایک انٹرویو میں اشارہ کیا تھا،کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو صرف قادیانی ہونے کی وجہ سے نوبل انعام دیا گیا ہے۔

آج پاکستان میں تعلیم کی اہمت جتانے پر ملالہ کو امن کے عنوان سے انعام سے نوازا گیا ہے۔جیسے اس ملک میں تعلیم نام کی کوئی شیئے موجود نہ ہو۔ملالہ کو ایک ماورائی طاقت کی حامل لڑکی ظاہر کیا جارہا ہے،جو کہ اپنے مخالفوں سے جان کی بازی لڑکر جیتی ہے۔جس طرح فلموں میں دکھایا جاتا ہے کہ ایک چھوٹی سے بچی معاشرے کے بُرے کرداروں سے لڑتی ہے اور تمام کو پچھاڑ دیتی ہے۔ملالہ کو اسی انداز میں فلمی ہیرئن ثابت کیا گیا ہے۔یہ صحیح ہے کہ ملالہ نے یورپ کے لکھے گئے کردار کو بڑے ہی اسلوب سے نبھایا ہے۔مگر صرف ایکٹنگ کی حد تک۔ورنہ اگر وہ واقعی ایسے کردار کی حامل تھی تو وہ ملک سے باہر کیوں گئی،یہیں اسی ملک میں رہ کر اس کو نبھاتی رہتی۔مگر اس کا ماسٹر مائنڈ کوئی اور ہے۔ملالہ کو جو انعام ملا وہ اپنی اس کتاب کی بدولت عطاء ہوا جس میں اس نے پاکستان کے آئین کو فرسودہ قرار دیا،جس میں اس نے سلمان رُشدی کی کتاب کو آزادیٔ اظہار کا شہکار قرار دیا،جس میں اس نے قادیانیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم قرار دینے کو غلط کہا ہے،جس میں اس نے قرآن میں دیئے گئے مرد وعورت کے مقام کو غلط کہا ہے،جس میں اس نے پاکستان میں عورتوں کو مظلوم ثابت کیا،جس میں اس نے پاکستان میں عورتوں پر تعلیمی پابندیوں کو بہانہ بنایا۔اور جس کی کتاب کا حاصل صرف اور صرف یہ ہے کہ پاکستان ایک ناکام دہشت گرد ریاست ہے۔اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پاکستان میں علم کا مستقبل کوئی نہیں۔یہ پروپیگنڈ کوئی نیا نہیں ڈیڑھ سوسال پرانا ہے۔جب سے برصغیر میں انگریز نے اس کی باگ ڈور سنبھالی ہے۔

آیئے ہم اس کا تاریخی طور پر کچھ جائزہ لیں۔

برصغیر میں انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے داخل ہوا،اور اس نے اسی مٹی سے غداری کر کے یہیں سے غدار خریدے،یہاں تک کہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے مقام پر سراج الدولہ حیدر علی کی فوجوں

اور پھر سلطان ٹیپو کی فوجوں پر غلبہ پا کر اس نے اپنی حکومت کی ابتدا کی۔ اس میں انگریز کے لئے آسانی اسی مٹی کے غداروں نے پیدا کی، جنہیں میر صادق اور میر جعفر کہا جاتا ہے۔ پھر ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے مسلمانوں نے ہمت کر کے انگریز راج کے خلاف بغاوت کی، مگر پھر یہاں پر غداروں نے کام دکھایا اور انگریزی راج نہ صرف بچ گیا بلکہ اب مکمل طور پر ہندوستان میں انگریزی راج قائم ہو گیا۔ اس کے بعد انگریز کے وفادار یہ لکھتے اور کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ دیکھو مسلمان حکمرانوں نے یہاں کے لوگوں کو تعلیم نہیں دی تھی، انگریز نے آ کر یہاں پر یونیورسٹیاں اور کالج کھولے۔ یعنی اس سے پہلے ہندوستان میں جہالت ہی جہالت تھی، علم کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ یہی تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

تاریخ یہی بتلاتی ہے کہ انگریز نے یہاں پر سب سے پہلے علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی بنائی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ۱۷۵۷ء سے لے کر علی گڑھ یونیورسٹی کے قیام تک اس درمیانی عرصہ میں انگریز نے کوئی تعلیمی کام سرانجام نہیں دیا۔ صرف غداروں کی خرید و فروخت میں لگا رہا۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے لئے اس کی بنیاد ۱۸۷۳ء میں رکھی گئی۔ پھر ۱۸۷۷ء میں باقاعدہ یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا، اس کے لئے انگریز نے کیا پاپڑ بیلے؟ اس کے متعلق چند باتیں ذہن میں رہنی چاہییں۔

پہلی بات یہ کہ انگریز نے ۱۷۵۷ء سے لے کر ۱۸۷۳ء تک اپنا نظام چلانے کے لئے برطانیہ سے بھیجے گئے چند سو انگریزوں کے علاوہ تمام عملہ ہندوستان ہی کے افراد سے لیا تھا۔ جو کہ ہندوستان ہی میں ہندوستان ہی کے مسلمان بادشاہوں یا مسلمان علماء کے بنائے ہوئے مدارس اور انہی کے نصاب تعلیم سے فیض یافتہ تھے۔ انگریز کے کسی سکول یا کالج سے پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ یہ انہی لوگوں کے شاگرد یا فیض یافتہ تھے جنہوں نے مسلمان حاکموں کے زیر تحت رہ کر تقریباً ایک ہزار سال تک ہندوستان کا نظام حکومت چلایا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس وقت ہندوستان کا سکہ رائج الوقت کی قیمت یہ تھی کہ ہندوستانی ایک روپیہ کے پچاس برطانوی پاؤنڈ ملتے تھے، اس حساب سے امریکہ کے ڈالر ہندوستانی ایک روپے کے ۱۰۰ ار ہوا کرتے تھے۔ جنہوں نے ہندوستان کے روپیہ کی قیمت یہاں تک پہنچا دی تھی، یہ لوگ کون تھے، کہاں سے پڑھے ہوئے؟ صاف ظاہر ہے کہ کسی آکسفورڈ یا کیمبرج کی یونیورسٹی سے پڑھے نہیں تھے۔ ہندوستان کی درسگاہوں سے ہی پڑھے تھے، یہ مسلمان مدارس کا ہی

فیض تھا۔فارس سے آئے ہوئے مسلمان فاتحین کی زبان چونکہ فارسی تھی،اس لئے ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی تھی۔اسی لئے ہندوستان میں تعلیمی اداروں کو مکتب،مدرسہ،دارالعلوم کہا جاتا تھا۔اور جب انگریز آیا تو ان میں انگریزی آ گئی پھر انہی کو سکول،کالج اور یونیورسٹی کہا جانے لگا۔ہمارے کرم فرماؤں نے یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ دیکھو مسلمان حکمرانوں نے ہندوستان میں عیاشی کی مگر کالج اور یونیورسٹی نہیں بنائی۔تو پھر سوال یہ ہے کہ ہندوستان انگریز کے حاکم بننے سے پہلے بڑے بڑے اہل علم کہاں سے آ گئے۔مذہبی اعتبار سے شاہ ولی اللہ جیسی شخصیات پیدا کیں۔پھر شبلی نعمانی،سرسید احمد خان،الطاف حسین حالی اور انگریز کے نظام حکومت چلانے والے ہندوستانی کہاں سے پیدا ہو گئے۔بات دراصل یہ ہے کہ انگریز نے ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۸۷۳ء تک یعنی علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی بنانے سے پہلے کوئی تعلیمی ادارہ قائم نہیں کیا۔اگر کوئی تعلیمی ادارہ تھا تو وہ بھی صرف ان انگریز آفیسروں کی اولادوں کے لئے تھا جو کہ برطانیہ سے ہندوستان میں حکومت کرنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔انگریز کو ہندوستان میں علی گڑھ میں مسلمانوں ہی کے لئے یونیورسٹی بنانے کا خیال کیوں آیا،ہندوؤں کے لئے ادارے بنانے کا کیوں خیال نہیں آیا۔اس کو سمجھنے کے لئے چند تاریخی حقائق ذکر کر دینا مناسب ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد بچے کھچے اہل علم نے دینی ادارے قائم کرنا شروع کر دیئے۔۱۸۶۱ء میں خاندان علماء لدھیانہ نے لدھیانہ شہر میں مدرسہ اللہ والہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔خاندان علماء لدھیانہ نے انگریز کے خلاف فرضیت جہاد کا فتویٰ بھی دیا اور بذات خود بھی اس میں شریک ہوئے۔پھر یوپی کے ایک قصبہ دیوبند میں ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم کا قیام سرفہرست ہے۔اس کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے۔یہ دونوں بزرگ ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف اپنے علاقے میں جنگ لڑ چکے تھے۔انگریز کے خلاف جنگ میں کئی سو علماء شہید ہو گئے تھے،جس کی وجہ سے اہل علم کی کمی واقع ہو گئی تھی۔نیز یہ کہ انگریز کے مکمل قبضہ کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کے مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔نیز یہ کہ پورا ہندوستان انگریز کا غلام بن چکا تھا۔ان حالات کو دیکھ کر یہ دونوں بزرگ دہلی سے تقریباً دو سو میل دور دیوبند نامی ایک بستی میں انار کے درخت کے نیچے ایک مدرسہ کا قیام لائے۔ایک

استاد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ایک شاگرد محمود الحسنؒ نے ابتداء کر دی۔ جس کے بعد اللہ نے بہار لگا دی۔ جب یہ مدرسہ پھلنے پھولنے لگا تو انگریز کے کان میں سرگوشی کی گئی کہ جو لوگ آپ کے خلاف جنگ میں شریک تھے، انہوں نے ایک تعلیمی دار و دیوبند کی بستی میں قائم کیا ہے، آنے والے وقت میں ہمارے لئے یہ بہت بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ انگریز سمجھدار تھا، اس نے مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کی تھی، اسے معلوم تھا کہ ان سے دوبارہ لڑائی میں ہمیں کوئی فائدہ نہیں۔ ہم اس وقت تک ہندوستان کے مسلمانوں پر قابو نہیں پا سکتے جب تک ان میں اپنے لئے وفادار تلاش نہیں کئے جاتے۔، بڑا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے ان کو نہ چھیڑا جائے۔ یہاں میں پھر یاد دلانا چاہتا ہوں کہ انگریز نے ابھی تک ہندوستان میں کوئی تعلیمی ادارہ قائم نہیں کیا تھا۔ صرف مسلمان علماء کے مدارس ہی قائم تھے۔ چنانچہ انگریز نے اپنے طور پر اس کا جائزہ لیا اور فیصلہ کیا کہ مسلمان مدارس کے مقابلے میں اپنا نظام تعلیم نافذ کیا جائے۔ چنانچہ انگریز نے ۱۸۶۹ء میں ڈاکٹر ولیم ہنٹر کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا، پھر انگریز پادریوں کا ایک وفد ہندوستان کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ ان دونوں کی رپورٹ یہ تھی کہ

مسلمانوں کا مذہبی عقیدہ یہ ہے کہ وہ کسی غیر ملکی حکومت کے زیر سایہ نہیں رہ سکتے اور ان کے لئے غیر ملکی حکومت کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہے۔ اس تصور سے مسلمانوں میں ایک جوش اور ولولہ ہے وہ جہاد کے لئے ہر لمحہ تیار رہتے ہیں۔ ان کی کیفیت کسی وقت بھی انہیں غیر ملکی حکومت کے خلاف ابھار سکتی ہے۔ ہم اس سے پہلے برصغیر کی تمام حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی سے شکست دے چکے ہیں۔ لیکن وہ مرحلہ اور تھا کیونکہ اس وقت فوجی نقطۂ نظر سے غداروں کی تلاش کی گئی تھی۔ مگر اب جبکہ ہم برصغیر کے چپہ چپہ پر حکمران ہو چکے ہیں اور ہر طرف امن وامان بھی بحال ہو گیا ہے۔ تو ان حالات میں ہمیں کسی ایسے منصوبہ پر عمل کرنا چاہئے جو یہاں کے باشندوں کے داخلی انتشار کا باعث ہو۔

انہی دنوں برطانوی پارلیمنٹ میں وزیر اعظم انگلستان مسٹر گلیڈسٹون نے تقریر کے دوران قرآن کریم ہاتھ میں لے کر کہا کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے ہم اطمینان سے حکومت نہیں کر سکتے۔ یہ فقرہ کہتے ہوئے وزیر اعظم برطانیہ نے کلام الٰہی کو زمین پر دے مارا۔ اسی اجلاس میں وزیر ہند نے کہا کہ اس ہاؤس میں میری تجویز ہے:

”ہندوستان میں ایسی تعلیم رائج کی جائے جس کے ذریعے ہر ہندوستانی لباس، بول چال، رہن سہن اور

طرز تمدن میں انگریز معلوم ہونے لگے۔ چاہے وہ عیسائی نہ بھی ہو مگر زندگی کے ہر شعبہ میں انگریز دکھائی دے"

ہندوستان کی سلطنت مسلمانوں سے چھینی گئی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ بھی مسلمان علماء نے دیا تھا۔ نیز مسلمانوں نے بہادر شاہ ظفر کو دہلی کے تخت پر دوبارہ بٹھانے کے لئے ہندوؤں کو ساتھ ملا کر انہیں مسلح بغاوت پر آمادہ کیا۔ ان حالات میں انگریز کے نزدیک اصل مجرم مسلمان تھا اور آئندہ بھی برطانوی راج کو ہندوستان میں اگر کوئی خدشہ ہو سکتا تھا تو وہ بھی مسلمانوں سے۔ ان حالات میں لندن کے مجوزہ فیصلے اور وزیر اعظم برطانیہ کی رائے اور وزیر ہند کی تجاویز کا زیادہ وزن ہندی مسلمانوں پر ڈالا گیا۔

وزیر ہند اور ہندوستانی پادریوں کی تجویز کے تحت ہندوستان سے ایسے آدمیوں کی تلاش ہونے لگی جن کے ذریعہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں سے ۱۸۵۷ء کے جذبات کا خاتمہ ہو سکے اور جذبۂ جہاد کو بھی ختم کیا جا سکے۔ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انگریز کی نظرِ انتخاب سرسید احمد خان پر پڑی۔

انگریز بڑا عیار رہے، اس نے جس قوم کو تباہ کیا اس کے لئے اسی قوم کے افراد سے لوگوں کو چنا، اور ایسے کردار کے لوگوں کو آگے لایا جو بظاہر اس قوم میں عزت دار سمجھے جاتے تھے۔ سرسید احمد خان ایک ایسے شخص تھے جو کہ اس دور میں مسلمانوں میں کافی مشہور تھے۔

۱۸۳۹ء میں سرسید کو کمپنی کی ملازمت میں سررشتے دار کی معمولی آسامی ملی۔ ۱۸۴۱ء میں منصفی کا امتحان پاس کر لیا اور ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۵ء تک دہلی میں منصف کے عہدے پر نامزد رہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ حریت میں انگریزوں کی جانیں بچانے کے سلسلے میں آپ کو ۱۸۶۲ء میں صدر الصدور بنا دیا گیا۔

سرسید احمد خان کو ۱۸۶۹ء کو انگلستان بلایا گیا، اور ان کو ۱۸۷۰ء میں انگلستان سے واپس ہندوستان بھیجا گیا، یاد رہے یہی وہ سال ہے جب کہ لندن میں وہ کانفرنس ہو رہی تھی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے، تو انہوں نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تگ و دو شروع کر دی تھی۔ کمیٹی خواستگار ترقیٔ تعلیم مسلمانان کا قیام اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔ اس کی تجاویز کے مطابق محمڈن کالج فنڈ کمیٹی کی

تشکیل کی گئی جو مجوزہ کالج کیلئے چندہ کی فراہمی کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی تھی۔

حکومت ہند نے، جسے اس فیصلے کی اطلاع دی گئی تھی اس تجویز کو بہت پسند کیا اور لکھا کہ شمال مغربی اضلاع کے مسلمانوں کی یہ تجویز اس بات کی مستحق ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حکومت اس میں مدد دے۔ لارڈ نارتھ بروک وائسرائے ہند نے اپنی جیب سے دس ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ ۱۸۷۳ء میں مدرسہ کی سکیم مکمل کر لی گئی۔ مولوی سمیع اللہ خاں کے زیر انتظام اس مدرسہ کا افتتاح ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو سر ولیم مور کے ہاتھوں ہوا۔ محمڈن کالج فنڈ کے سیکرٹری کو چندہ جمع کرنے میں کافی کامیابی ہوئی۔ نظام حیدر آباد نے نوے ہزار روپے دیئے اور چھ ہزار روپیہ سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔ مہاراجہ پٹیالہ نے اٹھاون ہزار روپیہ دیا۔ راجہ بنارس جو کہ کٹر ہندو تھا اور مسلمانوں کے خلاف ہر وقت سازشیں کیا کرتا تھا، اس نے بھی اس یونیورسٹی کے بنانے میں مالی تعاون کیا۔ (اگر یہ تعلیمی سکیم صرف مسلمانوں کی ترقی کیلئے تھی تو مہاراجہ پٹیالہ اور جہ بنارس نے بھرپور مالی تعاون کیوں کیا۔ اسی سے شبہ ہوتا ہے کہ تعلیمی ترقی کی سکیم میں انگریز کی نیت نیک نہیں تھی) نواب آف رام پور نے بھی بہت مدد کی۔ حکومت نے بیالیس سو روپیہ سالانہ گرانٹ منظور کی، بعد میں اضافہ کر دیا گیا اور گرانٹ بارہ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کی گئی۔ الغرض اتنا چندہ جمع ہو گیا تھا کہ کالج کا آغاز کیا جا سکے۔ چنانچہ ۸ جنوری ۱۸۷۷ء کو ایم او کالج علی گڑھ کا افتتاح لارڈ لٹن کے ہاتھوں ہوا۔ (تاریخ پاکستان۔ ص ۱۸۶)

سر سید احمد خاں علی گڑھ کالج کی مجلس منتظمہ کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے کالج میں بیشتر سٹاف یورپین رکھا تھا۔ کالج کا پرنسپل بھی انگریز ہی ہوا کرتا تھا۔ یہ بات بعض مخلص مسلمان سربراہوں کی نظر میں قابل اعتراض تھی۔ وہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ یورپین عیسائی مسلمانوں کو صحیح تربیت کیسے کر سکیں گے۔ بالخصوص پرنسپل بیک Back کی سرگرمیاں سر سید کے رفقاء کار کو قطعی ناپسند تھیں۔ چنانچہ جب ایک انگریز پروفیسر کو ہوسٹل کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا گیا تو اس کی خلاف شدید احتجاج ہوا۔ سر سید انگریزوں کی علمیت سے متاثر تھے۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ یورپین سٹاف علی گڑھ اور حکومت کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کرانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے وہ ہر قیمت پر یورپین سٹاف کو راضی رکھنے پر تلے ہوئے تھے۔ (تاریخ پاکستان ص ۱۸۷) قانون کی نظر میں مساوات کے مطالبے کے علاوہ معاشرتی انصاف پر بھی سر سید نے زور دیا اور اس کے لئے اپنی قوم (مسلمان) کو انگریز کے طور طریقے اختیار

کرنے کا مشورہ دیا۔(تاریخ پاکستان ص۱۹۰)

برصغیر کا یہ ہونہار سپوت (سرسید احمد) ۱۷۔اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوا۔ یہ حسینی سید تھے۔ جوانی کے ابتدائی ایام تھے اور ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ گھر کی تمام ذمہ داری ان پر آن پڑی۔ یہ چاہتے تو مغل دربار میں اچھی ملازمت مل سکتی تھی لیکن ان کی رائے میں ملک کی مضبوط ترین حکومت انگریز کمپنی کی ہے اور یہی آخر کار قائم رہنے والی ہے۔ لہٰذا انہوں نے کمپنی کی ملازمت کو ترجیح دی۔

۱۸۷۷ء میں دو سال کے لئے سرسید کو امپیریل کونسل کا رکن نامزد کیا گیا۔ انگریز کے لئے انہی خدمات کی بدولت ۱۸۸۸ء میں سرسید کو حکومت برطانیہ کی طرف سے سر کا خطاب ملا۔(اقتباسات از ''مذہب اسلام'' مصنف محمد نجم الغنی رامپوری ص۶۴۳۔ تاریخ پاکستان مطبوعہ سٹینڈرڈ بک ہاؤس اردو بازار لاہور)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ انگریز نے اس کام کے لئے سرسید احمد خان کا انتخاب کیوں کیا۔ اس کو اور بھی بہت سے وفادار مل سکتے تھے۔ اگر غور کیا جائے تو انگریز کی دانش کی یہاں داد دینی پڑے گی۔ وہ اس طرح کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ عمل میں لائے تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا یہ اقدام آئندہ کی مسلمانون نسلوں کے لئے دینی تعلیم اور دینی اقدار کا بچانے کے لئے بہت بڑا کارنامہ تھا۔ انگریز نے بھی اپنی تعلیم کے لئے ایک ایسے شخص کو آگے بڑھایا جو بظاہر ایک دیندار اور باشرع نظر آتا تھا۔ سرسید احمد خان کی بڑی لمبی داڑھی تھی، یوپی کا کرتہ شلوار ان کا لباس تھا، سر پر بڑے سائز کی تُرکی ٹوپی جو کہ اس وقت یوپی کے مسلمانوں کا طغریٰ امتیاز ہوا کرتی تھی، وہ پہنتے تھے۔ تو ایسی شکل وصورت والے کو جب آگے لایا جائیگا تو مسلمانوں میں انتشار پیدا نہیں ہوگا۔ اور سب سے بڑی چالاکی یہ کی گئی کہ سرسید احمد خان کو آگے لانے کا مقصد یہ تھا کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور سرسید احمد خان ایک ہی استاد مولوی مملوک علی کے شاگرد تھے۔ ثابت یہ کیا گیا کہ ایک شاگرد نے دینی ادارہ قائم کردیا ہے تو دوسرے شاگرد نے دنیاوی تعلیم کا ادارہ قائم کردیا۔ سرسید احمد خان نے اس مسلم یونیورسٹی کی بنیاد عقل پر رکھی، یعنی دین کو عقل کے مطابق پرکھا جائے۔ جبکہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے دارالعلوم کی بنیاد دین پر رکھی، یعنی عقل کو دین کے مطابق پرکھا جائے۔ سرسید نے عقل کی بنیاد پر

تمام عقائد بدل دیئے۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت علماءِ حق نے اس پر کفر کا فتویٰ جاری فرمایا۔مولانا محمد قاسم نانا تویؒ دین کے تمام عقائد کو ان کی اصل پر ہی رکھا۔بات علم کی ہورہی تھی،انگریز نے سرسید کے ذریعہ تعلیم کے عنوان سے اپنی تہذیب مسلط کی۔چنانچہ علی گڑھ یونیورسٹی سے فارغ ہونے والوں کے چہرے بدل گئے،لباس بدل گئے،زبان بدل گئی،بودوباش بدل گئے،قانون بدل گیا،اخلاق بدل گئے۔ایسے اخلاق کی بنیاد ڈلی گئی کہ جتنی بھی بے غیرتی ہو،جتنی بھی بے حیائی ہو،جتنی بھی بد دینی ہو،اُسے برداشت کرو۔اس عمل کو مہذب ہونے کا نام دیدیا گا۔یعنی تہذیب اس کو کہہ دیا گیا کہ ’’بیوی یا بیٹی میں بے حیائی دیکھ کر مرد کو غصہ نہ آئے‘‘۔اکبرالہٰ آبادی نے اسی پر کہا تھا:

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حیا ان کو نہیں آتی انہیں غصہ نہیں آتا

چنانچہ آج پوری دنیا میں اسی تعلیم کے نام پر انگریزی تہذیب کو اپنانے پر مجبور کردیا گیا ہے۔آج شراب خانے،جواخانے،نائٹ کلب،اور نہ جانے کیا کچھ ہورہا ہے وہ سب کچھ اسی تہذیب کا ثمرہ ہے۔آج باپ بیٹی میں احترام کا رشتہ باقی نہیں رہا،بہن بھائی میں حیا نہیں رہی،میاں بیوی میں وفا نہیں رہی،معاشرتی اقدار باقی نہیں رہیں،آج عدل کا معیار ظالم کا فیصلہ رہ گیا ہے،جس کے پاس طاقت ہے وہ جو کہے اسی کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔آج اسی تعلیم کو پڑھ کر دنیا میں جہاں چاہے حملہ کردیں،انہیں روکا نہیں جاسکتا۔اسی لئے یہی تعلیم پڑھے ہوئے لوگ مسلمانوں پر مسلط کردیئے گئے ہیں۔

اسی لئے انگریزی تعلیم کے اداروں کے لئے اربوں ڈالر کی غیرملکی ملتی ہے،اگر یہ نہ ملے تو یہ ادارے چل نہ سکیں۔اورسب سے بڑی بات یہ کہ اس غیر ملکی امداد میں یہاں کے حکمرانوں کی بڑی کمیشن ہوتی ہے۔جبکہ دینی مدارس بغیر کسی ملکی وغیرملکی حکومتی امداد کے بغیر چل رہے ہیں۔نہ انگریز کے دور میں یہ مدارس امداد لیتے تھے اور نہ اب پاکستان کے مدارس حکومت سے امداد لیتے ہیں،اس کے باوجود دینی مدارس بڑھتے اور پھیلتے چلے جارہے ہیں۔اسی سے غیر کو خطرہ ہے،دن رات انہیں یہ بات چین سے سونے نہیں دیتی۔اسی لئے پاکستان میں زبردستی ایسا نصاب تعلیم رائج کرنے کی کوشش ہورہی

ہے جس سے مسلمانوں میں حیا، شرم، وفا، دین، حلال کا جنازہ نکل جائے۔ پاکستان میں بھی وہی کچھ ہو جو برطانیہ اور امریکہ جیسے ملکوں میں ہوتا ہے۔ یہاں بھی بن بیاہی ماؤوں کی کثرت ہو، یہاں بھی ہم جنس پرستی کی شادیاں ہوں، یہاں بھی عزت و آبرو کے سودے ہوں۔اس کے لئے ایسا ہی ماحول بنانے کی ضرورت ہے جیسا کہ یورپ میں ہے۔ یورپ کی اسی تہذیب کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تعلیمی نظام نے پروان چڑھایا۔علی گڑھ سے فارغ شدہ کئی لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے وہاں کے ماحول میں رہتے ہوئے اس ماحول سے متاثر نہ ہوئے، بلکہ اس پر تنقید کی۔ مولانا ظفرعلی خان مرحوم نے اپنے انداز میں یوں تنقید کا نشانہ بنایا:

تہذیب نو کے منہ پر وہ تھپڑ رسید کر
جو اس حرام زادی کا حلیہ بگاڑ دے

مولانا ظفرعلی خان کی کہی ہوئی اسی حرام زادی تہذیب کی نمائندہ ملالہ ہے، جس کے سر پر دوپٹہ ڈال کر امن کے ایوارڈ سے نوازا دیا گیا ہے، جس طرح سر سید احمد خان کے جہرے پر داڑھی اور سر پر ٹوپی چڑھا کر علی گڑھ میں یونیورسٹی بنادی گئی تھی۔ ملالہ جس تعلیم تہذیب کی نمائندہ ہے، اس تہذیب کے ذمہ دار گورڈن براؤن جو کہ برطانیہ کے وزیراعظم بھی رہ چکے ہیں اور آج کل پاکستان میں تعلیم کے لئے بھرپور کردارادا کررہے ہیں، انہوں نے گزشتہ دنوں پاکستان کے دورے پر جو بیان دیا، وہ پیش خدمت ہے۔

سابق برطانوی وزیراعظم اور اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے خصوصی ایلچی برائے تعلیم گورڈن براؤن نے بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ: پاکستان میں ہم ایک منصوبہ شروع کررہے ہیں جس کے تحت بعض علاقوں کو بچوں کی شادی سے پاک علاقہ یا زون قرار دیں گے، اس منصوبے کے لئے پاکستان میں حمایت موجود ہے، اس طرح کے زون دوسرے ممالک میں بھی بنائے گئے ہیں۔
’’روزنامہ دنیا فیصل آباد‘‘

تو ناظرین ملالہ اسی تعلیم وتہذیب کی نمائندہ ہے، جس کو اسی تعلیم وتہذیب کے ذمہ داروں نے انعام سے نوازا ہے۔ اللہ ہمارے ملک کو ایسے تعلیم وتہذیب سے محفوظ فرمائے۔ آمین

مجالس
سید الطائفہ، قطب الاقطاب قطبِ عالم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ

بروز جمعہ ۱۱؍رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ، ۹؍اگست ۴۶ء رائے پور گلزار رحیمی

رات کی مجلس مبارک میں تذکرہ حضرت امام مہدی علیہ الرضوان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور دجال کا اس طرح شروع ہوا کہ حضرت والاؒ کسی بات پر فرمارہے تھے کہ آج کل سائنس کی ترقیوں نے بہت سی قرآن و حدیث کی ہوئی پیشگوئیوں اور پہلے زمانے کے بعض معجزات کو سمجھنا آسان کردیا ہے، اگرچہ حقیقت کا علم کسی چیز کے واقعہ ہونے پر ہی ہوتا ہے مگر اعتراض کرنے والوں کو اب گنجائش ویسی نہیں رہی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اڑتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے ہواؤں کو مسخر کردیا تھا اب خدا تعالیٰ نے بعض ہواؤں کو گیس اور بھاپ وغیرہ بھی ہوائیں ہیں۔ انسان کے قابو میں کردیا ہے کہ بڑے بھاری بھرکم ہوائی جہازوں کو بے تکلف آسمان پر اڑائے لیے پھرتے ہیں۔ دجال کی سواری کا بھی ذکر آیا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ چالیس دن میں روئے زمین پر پھر جائیگا۔ آپ نے فرمایا کہ تو یہ مجملاً ان ہوائی جہازوں سے بھی ہوسکتا ہے جو آجکل ہیں۔ ممکن ہے کوئی ایسی سواری نکلے کہ روئے زمین کا تفصیلی سفر دورہ بھی وہ کرسکے۔ اور ہر جنگ کے بعد پہلے سے زیادہ تیز سواریاں ظاہر ہوجاتی ہیں۔ اب آنے والی جنگ کے بعد اس سے زیادہ تیز سواریاں نکلیں گی۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک یورپین رسالہ میں ۲ ہزار سال کے بعد کیا ہوگا کے عنوان سے دنیا کے حالات لکھے ہیں کہ انسان کا دماغ تیز اور جسم اتنا ہلکا ہوجائے گا کہ وہ بغیر کسی سواری کے خود ہوا میں اُڑتا پھرے گا اور جسم کی جلد ایسی باریک ہوجائے گی کہ جسم انسانی کے اندر کی مشینری نظر آسکے گی۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ یہ قیاسات ہیں ہاں ترقی کی رفتار بہت بڑھ جائیگی۔ یہاں تک کہ دجال کے متعلق جو آیا ہے کہ وہ لوگوں کو زندہ کرسکے گا اور کہے گا کہ خدا بھی مارتا اور زندہ کرتا ہے اور میں بھی مارتا اور زندہ کرتا ہوں بس کافر اور مومن کا یہی فرق ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ کہ وہ ہر کام کا خالق اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے اور کافر ایسا نہیں سمجھتا تو دجال شاید اپنے زمانہ کا سب سے بڑا سائنس دان ہو اور یہ کہے گا کہ میں مُردوں کو

زندہ کرتا ہوں اور مومن یہ مانیں گے کہ یہ تو خدا تعالیٰ کے قائم کیے ہوئے اصولوں کا انکشاف ہو جانے کی وجہ سے ان کا استعمال ہے۔ جس پر نتائج مرتب کرنا خدا تعالیٰ کی حیثیت پر موقوف ہے اور دراصل جب چاہتے ہیں باری تعالیٰ ہی ایسا کرتے ہیں۔

جیسے نطفہ کی پرورش کر کے بچہ بنانے کے جو مرحلے ہیں اگر ان کا صحیح انکشاف ہو جائے اور ویسا ہی کرے تو جان پڑ جائے گی۔ وہ تو ہمارے عقیدہ کے موافق اللہ تعالیٰ ہی ڈالیں گے حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی جان ڈالیں گے۔ انسان سمجھتا ہے کہ میں کرتا ہوں اور جب کامیابی نہیں ہوتی تو قرار دیتا ہے مراد لیتا ہے کہ کوئی نقص رہ گیا ہے کسی صاحب نے عرض کیا کہ روسی سائنسدان مردوں کو زندہ کرنے کے تجربات کر رہے ہیں مگر ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر ہو سکتا ہے کہ کامیابی ہو جائے اور لوگ کہتے ہیں ہمارے پہلوں نے کوتاہی اور سستی کی ورنہ یہ ترقی ایجادات کی وہ کر سکتے تھے ہم کہتے ہیں کہ انسان کوشش کرتا ہے مگر کامیابی مشیت الٰہی پر موقوف ہے کہ اس زمانہ میں مشیت الٰہی نہ تھی اب خدا تعالیٰ کو منظور ہے کہ یہ چیزیں بن جائیں۔ حضرت والاؒ نے علماء کرام سے دریافت فرمایا کہ کیا حضرات فرمائیں گے کہ دجال کے متعلق احادیث میں کیا آتا ہے۔ سب خاموش رہے یہاں تک کہ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ جو حضرات احادیث پڑھانے کا مشغلہ رکھتے ہیں وہ کچھ فرمائیں گے کہ ان کو زیادہ علم ہوگا۔ مگر کوئی بولا نہیں۔ حضرت والاؒ نے مولانا محمد صاحب انوری رائے کوٹیؒ کو مخاطب فرمایا کہ وہ پیچھے بیٹھے تھے۔ آگے آنے کو فرمایا۔ آگے آ کر مولانا محمد صاحب انوریؒ نے عرض کیا کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دجال کو قتل کرنے کیلئے ہوگا۔ اور پھر حضرت امام مہدی علیہ الرضوان ظاہر ہونگے اس میں شرح مسلم کا ذکر بھی کیا کچھ اور کتابوں کے حوالے بھی بیان کیے۔ خواجہ صاحب نے اسی مجلس میں پہلے بیان کر چکے تھے کہ حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کی تمام حدیثیں مجروح بیان کی جاتیں ہیں اور ان کے راویوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ شیعہ راوی ہیں۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ مولانا حبیب احمد کیرانویؒ کے متعلق سنا ہے کہ وہ یہی فرماتے ہیں اس کا بعض علماء اسی مجلس میں رد بھی کیا۔ بخاری اور مسلم شریف کی حدیثیں بھی اس میں ہیں۔ غالباً مولانا محمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک زمانہ میں مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی حیات مسیحؑ کے بھی منکر رہے۔ اور حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب مجتہد ہیں۔ حضرت والاؒ نے حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کا

خیال معلوم کرنے پر مولانا محمد صاحب انوریؒ نے عرض کیا کہ حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے فرمایا تھا کہ مسلمان اور عیسائی آپس میں لڑتے رہیں گے اس فتنہ کو مٹانے کیلئے کوئی ایسی ہستی چاہیے جس کو دونوں فریق حکم عدل مانیں تو وہ حضرت مسیح علیہ السلام ہونگے جو نزول فرما کر اس جنگ کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کردیں گے اور مسلمانوں میں داخلی طور پر شیعہ اور سنی دو فرقے رہ جائیں گے جن کے اتحاد کیلئے حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کا ظہور ہوگا۔ حضرت اقدسؒ نے خواجہ صاحب سے فرمایا کہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحبؒ کا اس میں کیا خیال تھا تو خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرتؒ مولانا مرحوم بھی ایسا ہی فرمایا کرتے تھے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تمام دنیا اسلام پر متفق ہوجائے گی۔ اس کی یہ صورت ہوگی کہ عیسائیوں کے اسلام پر متحد ہونے کیلئے کسی ایسی ہستی کا ظہور ہو جس کو عیسائی مانتے ہوں گے اور وہ اسلام کی دعوت عیسائیوں کو دے گی۔ اور شیعہ فرقہ کو متحد کرنے کیلئے بھی کسی ایسی ہستی کے ظہور کی ضرورت ہے جسے شیعہ بھی مانتے ہوں اور وہ ان کو اہل سنت مسلمانوں سے متحد کردے اس لیے امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ اور دجال جس طرح اپنے مادی کمال کے انتہائی نکتہ پر ہوگا ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ملکی قوت کے انتہائی نکتہ پر ہوں گے تو دجال کے مادی فتنہ کا دور روحانیت اور ملکیت کے غلبہ سے ہی ممکن ہے اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کردیں گے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ان فرقوں کا متحد ہونا اس طرح ممکن ہے کہ مسیح علیہ السلام اور مہدی علیہ الرضوان کا نزول اور ظہور ایسے طرز سے ہو کہ عیسائی اور شیعہ بھی ان کو مسیح اور مہدی مانتے ہوں، ورنہ حکم عدل کی کیا صورت ہے (احقر حبیب الرحمٰن نے آہستہ سے اپنے پاس بیٹھے ہوئے حضرت مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب رائے پور گجراں والوں سے دریافت کیا کہ دجال کے متعلق یہ بھی تو آیا ہے کہ وہ یہودی ہوگا مولانا نے اس کی تصویب فرمائی) تو احقر نے ذرا بلند آواز سے عرض کیا کہ یہودی بھی نزول مسیح تک فنا نہیں ہوں گے تبھی تو **ان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ** کا مطلب پورا ہوگا۔ مولانا مولوی محمد صاحبؒ اور خواجہ صاحب اور شاید بعض اور حضرات نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔

حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے مقدمہ بہاولپور میں حیات مسیح کے ثبوت میں جو بیان فرمائے تھے۔ مولانا محمد صاحب انوری اور کچھ کچھ مولوی حبیب اللہ صاحب ان حوالوں کو بیان فرماتے رہے اور مولوی محمد حیات صاحب مرحوم نے بیان کیا کہ حضرت شاہ صاحب نے مقدمہ بہاولپور میں مرزائیوں

کے مقابلہ میں یہ ثابت کیا کہ کسی زمانہ میں بھی کوئی دو مسلمان عالم ایسے نہیں گزرے جو ممات پر متفق ہوئے ہوں اوراس طرح حیات مسیح کے عقیدہ پر امت کا اجماع ثابت کیا۔ جو کتاب اس بحث میں مرزائی عالم شمس نے پیش کی اسی میں سے شاہ صاحب نے اس کتاب کے مصنف کا حیات مسیح کا قائل ہونا ثابت کیا۔ ایک کتاب مولانا نے نام لیا جو مجھے یاد نہیں رہی کہ وہ وہاں شمس مرزائی کے پاس تھی۔۔ جب وہ اس میں سے اپنا استدلال کر چکا تو حضرت شاہ صاحب نے اس سے وہ کتاب لے کر چند منٹ دیکھ کر اس کے مصنف کا بھی حیات مسیح کا قائل ہونا جج کو دکھایا۔

اس مجلس میں کچھ ایسا تذکرہ بھی آیا کہ حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کے متعلق صحاح کی احادیث بھی آئیں ہیں جن میں کوئی گنجائش جرح کی نہیں اور اولیاء نے بھی حضرت مہدی علیہ الرضوان کا ذکر بہت کیا ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت امام مہدی مقلد تو نہیں ہونگے مگر ان کا اجتہاد حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مطابق ہوگا۔ اس پر کسی صاحب نے عرض کیا کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ہے۔

اس پر مولانا محمد صاحب نے عرض کیا کہ **الیواقیت والظواھر** میں حضرت امام عبدالوھاب شعرانیؒ نے حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کے ظہور کا ذکر بڑی شدو مد سے فرمایا ہے میں نے عرض کیا کہ امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے اپنے رسالہ عبدیت میں ذکر فرمایا ہے کہ ان کے زمانہ میں حضرت مہدی علیہ الرضوان مع اپنے لشکر خاص کے ساتھ کسی مقام پر مخفی تھے اور بعض دیکھنے والوں نے جو امام مہدی علیہ الرضوان کے ساتھ چند روز گزار آئے تھے۔ امام عبدالوہاب شعرانی سے اس کا تذکرہ کیا۔

اس پر حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ان باتوں کو چھوڑو ہوسکتا ہے کہ یہ ان حضرات کے کشف ہوں اور انہوں نے یہ کچھ کسی اور عالم میں دیکھا ہو کسی نے مقدمہ بہاولپور میں شمس مرزائی نے سلم الثبوت پیش کی تھی۔ حضرت کشمیریؒ نے فرمایا لکھو جج صاحب میں نے یہ کتاب ۳۲ سال کے بعد یہ دیکھ رہا ہوں یہ سراسر دھوکا دے رہا ہے۔

یہ بھی عرض کیا تھا کہ جماعت اہل حق کا ہر زمانہ میں رہنا احادیث میں آیا ہے اس پر بعض حضرات نے فرمایا کہ تین آدمی ہوں ان پر بھی جماعت کا اطلاق ہوسکتا ہے اور بھی بہت سی باتیں ہوئی تھیں۔

شہید کربلا نواسہ رسول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خروج

قاضی اطہر مبارک پوریؒ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں خروج کیا؟

ان کی دعوت کیا تھی؟

کیا وہ محض نسلی فضیلت کی بنا پر دعویٰ خلافت لے کر اٹھے تھے؟

بعض لوگوں کے نقطۂ نظر سے حضرت حسینؓ بن علیؓ کی دعوت محض یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور حضرت علیؓ کے بیٹے ہیں۔ اس لیے انہیں خلیفہ بنایا جائے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ نقطہ نظر ایسا نہیں ہے جس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت پیش کی جائے بلکہ تاریخ کا جائزہ ہماری رہنمائی اس طرف کرتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے اقدام کا نصب العین خلافتِ عادلہ صحیحہ کا قیام تھا۔ یزید کا فسق خلافتِ نبوت کو خلافتِ قیصر و کسریٰ سے بدل رہا تھا۔

یہ فسق گھر کی چاردیواریوں میں محدود نہ رہا تھا بلکہ عوام الناس کے سامنے کھل چکا تھا۔ اس وقت حضرت امام حسین بن علیؓ کے اجتہاد نے اس طرف رہنمائی کی کہ اس ''امام جائر'' کے سامنے ''حق کا اظہار'' ضروری ہے اور انہوں نے اس راہ میں اپنی جان دیدی ابن خلدون لکھتا ہے:

''حضرت حسینؓ کا معاملہ یہ ہوا کہ جب یزید کا فسق اس زمانہ کے تمام لوگوں کے سامنے کھل گیا تو کوفہ کے طرفداران اہل بیت نے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ ان کے پاس چلے آئیں اور یہ لوگ ان کی سرکردگی میں اٹھ کھڑے ہوں۔''

اب یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک طرف خلیفہ کا فسق ہے جو تمام پبلک کے سامنے بے پردہ ہو چکا ہے اور دوسری طرف اہلِ کوفہ کی دعوت ہے جو ''تحریک'' کیلئے شوکت کا سامان مہیا کرتی ہے۔

حضرت امام حسینؓ نے اپنے کو اس دعوت کا اہل سمجھا اور خروج کا فیصلہ کیا اور اہل کوفہ کے اس پیغام کو لبیک کہا۔ اب آپ غور کریں کہ

کیا حضرت حسینؓ نے اس پکار پر لبیک محض اس لیے کہا کہ وہ جاہ واقتدار کے بھوکے تھے؟ یا محض اس لیے کہ وہ نبی کے نواسے تھے؟

ابن خلدون لکھتا ہے:

"حضرت حسینؓ نے رائے قائم کی کہ یزید کے فسق وفجور کی وجہ سے اب اس کے خلاف خروج ضروری ہے خصوصاً اس شخص پر جو اس کی قدرت رکھتا ہو۔"

معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کی وجہ یزید کی نا اہلی تھی۔ ان کا اپنا نسلی استحقاق نہیں۔

آگے چل کر ابن خلدون لکھتا ہے کہ:

"حضرت حسینؓ نے اپنے اندر خروج کی قدرت محسوس کی اپنی اہلیت اور اپنی شوکت کی وجہ سے۔"

ابن خلدون لکھتا ہے کہ "جہاں تک خلاف کی اہلیت اور صلاحیت کا تعلق ہے اہلیت جیسی وہ سمجھتے تھے ویسی ہی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ہاں شوکت کے اندازہ میں ان سے غلطی ہوئی۔

اس لیے کہ اس وقت ساری کلیدی طاقتیں اور عصبیت بنوامیہ کے ہاتھ میں تھی۔ زمانۂ جاہلیت کی عصبیت جو اہم مسائل کے پیش آجانے کی وجہ سے دب گئی تھی پھر ابھر آئی تھی اس لیے اس کا مقابلہ مشکل تھا۔"

اس تفصیل کے بعد لکھتا ہے کہ:

"حضرت حسینؓ کے اندازہ کی غلطی تمہارے سامنے واضح ہوگئی لیکن خیال رکھو کہ یہ غلطی دنیاوی امر میں ہوئی اور دنیاوی (سیاسی) غلطی سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔"

رہا اس خروج کا شرعی حکم تو ظاہر ہے کہ اس کے جواز میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کی بنیاد مجتہد کے اجتہاد پر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امام کے خروج کی بنیاد یزید کا فسق وفجور تھا۔ ان کی تحریک کی بنیاد اور خلافتِ عادلہ کا قیام تھا۔ وہ خدانخواستہ ایک غیر اسلامی چیز یعنی نسلی فضیلت کی بنیاد پر خلافت کے مدعی نہ تھے۔

صحابہؓ کا موقف حضرت حسینؓ کے بارے میں

جب عام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ مسلک سامنے آگیا کہ وہ یزید کے فسق کے

باوجود اس کے خلاف خروج کے قائل نہ تھے، محض اس لیے کہ فتنہ وفساد کا خطرہ تھا عام صحابہ ؓ اپنے اس اجتہاد کی بنیاد پر حضرت امامؓ کا ساتھ نہ دے سکے اور ''انہوں نے حضرت حسینؓ کی اتباع نہ کی۔''

لیکن امام حسینؓ کو غیر اسلامی تحریک کا داعی اور گنہگار بھی نہ کہا۔ نہ انہوں نے حضرت حسینؓ پر نکیر کی اور نہ انہیں گنہگار قرار دیا۔

اور عام صحابہ ؓ کو حضرت حسینؓ نے بھی موردِ الزام قرار نہیں دیا۔ اس لیے کہ وہ بھی اپنے اجتہاد پر مائل تھے لیکن اپنی دعوت کی حقانیت پر اور اپنی تحریک کی سچائی پر انہی صحابہؓ کو گواہ بناتے تھے جو عملاً ان کے اس اقدام میں شریک نہیں تھے اور کربلا میں اعلان کرتے تھے۔

''حسین جب کربلا میں قتال کررہے تھے انہیں صحابہؓ کو اپنے فضل اور اپنے حق پر گواہ بناتے تھے اور کہتے تھے: پوچھو! جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، سہل بن سعیدؓ اور زید بن ارقمؓ وغیرہ سے۔''

خلاصہ یہی ہوا کہ حضرت حسین بن علیؓ اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہوکر یزیدیوں سے نبرد آزما ہوئے اور عام صحابہؓ نے فتنہ وفساد کا خیال کرتے ہوئے اسی میں نجات سمجھی کہ یزید کی ہدایت کیلئے دعا کی جائے اور اس سے نجات اور راحت کی دعا کی جائے۔ حضرت حسینؓ سمجھ رہے تھے کہ عام صحابہؓ بھی یزید کے فسق سے واقف ہیں اور وہ بھی خلافت عادلہ کے قیام کو ضروری سمجھتے ہیں۔

لیکن بنوامیہ کی طاقت اور عصبیت کی بنا پر کسی نئی تحریک کا بار آور ہونا مشکل ہے اور پھر مسلمانوں کے مابین قتل وخون کا اندیشہ ہے، اس لیے وہ اس طرح کی تحریک اٹھانے کیلئے تیار نہیں تھے۔ اس لیے حضرت حسینؓ نے انہیں مدد نہ کرنے پر موردِ الزام بھی نہ سمجھا اور دوسری طرف انہیں اپنی دعوت پر گواہ بناتے رہے۔

یہیں سے یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ بعض صحابہؓ نے حضرت حسینؓ کو اس قدام یا کوفہ کی طرف جانے سے روکا تھا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ''یزید کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف خروج ناجائز ہو۔''

بلکہ اس کی وجہ یہی تھی کہ صحابہؓ سمجھ رہے تھے کہ حالات ایسے نہیں ہیں جس میں یہ تحریک کامیاب ہوسکے۔

کیا یزید اور دوسروں کیلئے حضرت حسینؓ سے قتال جائز تھا؟

اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے کہ کیا حضرت حسینؓ کے قتل میں صحابہؓ کی رائے کو بھی دخل تھا؟ ابن خلدون لکھتا ہے:

’’حضرت حسینؓ سے یزیدیوں کا قتال حضرات صحابہؓ کی رائے اور ان کے اجتہاد سے نہ تھا بلکہ ان کے قتال کے ذمہ دار صرف یزید اور اس کے ساتھی ہیں۔‘‘

اس کے بعد اس طرح کے خیالات کی تردید کرتا ہے کہ جب حضرت حسینؓ باغی تھے تو ان سے قتال شرعاً جائز ہونا چاہیے اور لکھتا ہے کہ

’’باغیوں سے قتال علماء کے نزدیک اسی وقت جائز ہے جب کہ آپ امام عادل کا ساتھ دے رہے ہوں اور یہاں ایسا نہیں ہے۔‘‘

اس لیے کہ یزید ظاہر ہے کہ عادل نہیں تھا پس اس کے خلاف خروج امام عادل کے خلاف بغاوت نہ ہوگی لہٰذا شرعاً حضرت حسینؓ سے قتال جائز نہیں ہوگا۔‘‘

اور اگلا جملہ پڑھیے:

’’بلکہ حضرت حسینؓ سے قتل وقتال تو یزید کی ان حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے جو اس کے فسق کو اور پختہ کردیتی ہے۔‘‘

حضرت حسینؓ کی حیثیت اس معاملہ میں کیا تھی؟

حضرت حسینؓ شہید تھے اور اللہ کی طرف سے اجر وثواب کے مستحق ہوئے،

وہ برحق تھے اور اپنے اجتہاد پر عامل۔

ابن العربی اور واقعۂ شہادت

قاضی ابوبکر بن العربی نے ’’العواصم والقواصم‘‘ نامی کتاب میں حضرت حسین بن علیؓ کے قتل کو حق بجانب قرار دیا ہے اور اس مسئلہ پر بحث کی ہے ان لوگوں نے ابن عربی کی رائے سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے لیکن ابن خلدون اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

’’قاضی ابوبکر بن العربی سے اس مسئلہ میں غلطی ہوگئی انہوں نے اپنی کتاب ’’العواصم والقواصم‘‘ میں ایسے الفاظ لکھے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت حسینؓ اپنے نانا کی شریعت کے مطابق

قتل کیے گئے۔"

ابن عربی کا شارہ اسی طرف ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے باغی کی سزا قتل ہے اس لیے حضرت حسینؓ کا قتل جائز تھا۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ ابن عربی کا یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ باغی کا قتل جائز اس وقت ہے جب کہ امام عادل ہو۔ یہاں تو مسئلہ کی صورت ہی دوسری ہے۔ ایک طرف یزید ہے جس کا فسق وفجور روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکا۔ یہ "اہل آراء" تھے جو اپنی شہوات اور خواہشِ نفس کے مطابق حکومت چلا رہے تھے۔ دوسری طرف حسینؓ تھے جو مجسمۂ عدالت وتقویٰ اور سراپا شرافت ودیانت تھے۔ پس حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کی حیثیت امام عادل کے خلاف بغاوت کی نہیں بلکہ امام جائز وفاسق کے مقابلہ میں "حق وصداقت کے علمبرداروں" کے خروج کی ہے۔ یہ حکومتِ عادلہ یک خلاف بغاوت نہیں تھی بلکہ امام جائز کے سامنے کلمۂ حق کا اظہار تھا اور قتل کا قانون اس بغاوت وعہد شکنی کیلئے ہے جو امام عادل عادل کے مقابلہ میں اختیار کی جاتی ہے نہ کہ اس شخص کیلئے جو کھڑا ہوا ہو۔ "ہر قلیت وکسر یوت " جاہلی عصبیت اور فسق وفجور کو شا کر حق وعدالت کی بنیاد پر حکومت قائم کرنے کیلئے پس ایسے شخص کے قتل کو کیسے جائز کہا جا سکتا ہے؟

ابن خلدون لکھتا ہے: "ابنِ عربی کی یہ رائے غلط ہے۔ انہوں نے یہ غلط رائے اس لیے قائم کی کہ وہ "امام عادل کی شرط" سے غافل ہو گئے

اور حضرت حسینؓ سے بڑھ کر ان کے زمانہ میں امامت اور عدالت کے اعتبار سے اہل آراء کے قتال کیلئے کون اعدل تھا۔"

حاصل کلام

یزید فاسق وفاجر تھا، اس کا فسق وفجور عوام وخواص پر ظاہر ہو چکا تھا۔

حضرت حسینؓ سے قتال کو شرعاً جائز نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت حسینؓ برحق تھے، وہ واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔ (علیؓ وحسینؓ ،ص ۹۹۲)

فضائل

اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ

ازواج مطہرات وذریت طیبہ رضی اللہ عنھن

یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ''اہل البیت'' کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کیلئے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الاحزاب کے چوتھے رکوع میں ازواج مطہرات کو کچھ خاص ہدایات دینے کے بعد فرمایا گیا ہے:...... جس کا مطلب یہ ہے کہ ''اے ہمارے پیغمبر کی بیویو! تم کو جو یہ خاص ہدایتیں دی گئیں ہیں ان سے اللہ کا مقصد تم کو زحمت ومشقت میں مبتلا کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان ہدایات سے یہ ہے کہ تم کو ہر قسم کی ظاہری وباطنی برائی اور گندگی سے مطہر اور پاک وصاف کر دیا جائے۔'' جو شخص عربی زبان کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے اس کو سورۂ احزاب کے اس پورے رکوع کے پڑھنے کے بعد اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوگا کہ یہاں ''اہل بیت'' کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی کیلئے استعمال ہوا ہے...... لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والے ہم مسلمانوں کا حال آج یہ ہے کہ اہل البیت کا لفظ سن کر ہمارا ذہن ازواج مطہرات کی طرف بالکل نہیں جاتا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان دونوں کی ذریت ہی کی طرف جاتا ہے۔

''اہل البیت'' کا لفظ قرآن مجید میں سورۂ احزاب کے علاوہ صرف ایک جگہ اور سورۂ ہود کے چھٹے رکوع میں بھی آیا ہے جہاں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے تھے جس میں عام قانون فطرت کے مطابق اولاد کی امید نہیں کی جا سکتی اور لاولد تھے، تب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتوں کی ایک جماعت نے آ کر انہیں اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ کو ایک بیٹے کے تولد کی بشارت دی۔ حضرت سارہ نے ازراہ تعجب کہا: ''میں خود بڑھیا اور میرے یہ میاں بھی بوڑھے تو اب کیا میں بچہ جنوں گی؟''...... اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا: محترمہ! کیا آپ اللہ کے تکوینی حکم کے بارے میں تعجب کرتی ہیں آپ ''اہل البیت'' پر تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اور برکتیں

ہیں۔ظاہر ہے کہ اس آیت میں بھی اہل البیت سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

عربی زبان ومحاورات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ کسی شخص کے ''اہل البیت'' کا اولین مصداق اس کی بیوی ہی ہوتی ہے، اسی طرح فارسی میں اہل خانہ اور اردو میں گھر والے یا گھر والی بیوی ہی کو کہا جاتا ہے، ماں، بہن، بیٹی اور داماد اور ان کی اولاد کیلئے ''اہل البیت'' اور اہل خانہ اور گھر والوں کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔الغرض اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اہل البیت کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کیلئے استعمال ہوا ہے اور وہی اس کی اولین مصداق ہے۔البتہ یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جب سورۂ احزاب کی یہ آیت: ''**انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا**'' نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ اور ان کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسن اور حضرت حسین اور ان کے ساتھ ان کے شوہر اور اپنے چچازاد بھائی حضرت علی المرتضیٰؓ کو ایک کملی میں اپنے ساتھ لے کر دعا فرمائی:

''اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی ہر طرح کی برائی اور گندگی کو دور فرمادے اور ان کو مکمل طور پر مطہر وپاک وصاف فرمادے۔'' بلاشبہ حضور ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی اور سورۂ احزاب والی آیت میں ازواج مطہرات کا ''اہل البیت'' کے لفظ سے ذکر فرما کر ان پر اللہ تعالیٰ کے جس خاص انعام کا ذکر فرمایا گیا تھا اس میں اور لفظ ''اہل البیت'' کے اطلاق میں یہ حضرات بھی شامل ہوگئے اس بنیاد پر یہ حضرات ابھی لفظ ''اہل البیت'' کا صحیح مصداق ہیں لیکن جیسا کہ تفصیل سے عرض کیا جاچکا کہ قرآن مجید میں یہ لفظ ازواج مطہرات ہی کیلئے استعمال ہوا ہے اور وہی اس کی اولین مصداق ہیں۔

الغرض یہ بات کہ ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں بلکہ اس لفظ کا مصداق صرف آپ کی ایک بیٹی، ایک داماد اور دو نواسے ہیں نہ تو زبان کے لحاظ سے درست ہے نہ قرآن وحدیث سے ثابت...... اس غلطی نے امت میں عرف عام کی حیثیت اختیار کرلی اور ہماری سادہ دلی کی وجہ سے اس طرح کی بہت سی دوسری غلط باتوں کی طرح اس کو بھی قبول عام حاصل ہوگیا اور جیسا کہ عرض کیا گیا حالت یہ ہوگئی کہ ''اہل البیت'' کا لفظ سن کر ہمارے اچھے پڑھے لکھوں کا ذہن بھی ازواج مطہرات کی طرف نہیں جاتا جو قرآن مجید کی رو سے اس لفظ کی اولین مصداق ہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ

کا ایک اہم مکتوب

تحریر فرماتے ہیں۔

یقینی طور پر تصور فرمائیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے زیادہ تر ہے۔ تمام بدعتی فرقوں میں بدتر اس گروہ کے لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ان کا نام کفار رکھتا ہے۔ ''**لیغیظ بھم الکفار**'' قرآن اور شریعت کی تبلیغ اصحاب رضی اللہ عنہم ہی نے کی ہے اور اگر ان میں طعن لگائیں تو قرآن اور شریعت پر طعن آتا ہے۔ قرآن کو حضرت عثمانؓ نے جمع کیا ہے اگر حضرت عثمانؓ مطعون ہیں تو قرآن مجید بھی مطعون ہے۔

حق تعالیٰ ان زندیقوں کے ایسے برے اعتقاد سے بچائے۔ مخالفت اور جھگڑے جو اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان واقع ہوئے ہیں۔ نفسانی خواہشوں پر محمول نہیں ہیں۔ کیونکہ خیر البشر علیہ وسلم کی صحبت میں ان کے نفسوں کا تزکیہ ہو چکا تھا اور امارہ پن سے آزاد ہو گیا تھا۔

اس قدر جانتا ہوں کہ حضرت علیؓ اس بارہ میں حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر لیکن یہ خطا اجتہادی ہے۔

جو فسق کی حد تک نہیں پہنچاتی بلکہ اس قسم کی خطا میں ملامت کی بھی مجال نہیں کیونکہ ایسی خطا کرنے والے کو بھی ایک درجہ ثواب کا حاصل ہے **اور کمبخت یزید اصحاب سے نہیں ہے۔ اس کی بدبختی میں کس کو کلام ہے جو کام اس بدبخت نے کیا ہے کوئی کافر فرنگ بھی نہیں کرتا۔**

اہل سنت والجماعت میں سے بعض علماء نے اس کے لعنت کرنے میں جو توقف کیا ہے تو اس لحاظ سے نہیں کیا ہے کہ وہ اس سے راضی ہیں بلکہ اس کی رجوع اور توبہ کے احتمال پر کیا ہے۔

(انتخاب از مکتوبات امام ربانی جلد اوّل مکتوب نمبر ۵۴)

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر **سب سے پہلا فتوائے تکفیر**

تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی — قسط 48

انگریزی حکومت اور قادیانیوں کی ملی بھگت پر رئیس الاحرارؒ کا ردعمل

انگریز کے ساتھ اگرچہ مجلس احرار اسلام کے قائدین کا اختلاف تھا اور اس کی نوکری کو بھی قبول نہیں کرتے تھے، مگر پھر بھی ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ انگریزی

حکومت نے مسلمانوں کے لیے جو کوٹہ مختص کر رکھا ہے اس کے افسر کم از کم مسلمان ہی ہوں۔ انہی دنوں جب رئیس الاحرارؒ کی تقریر قادیان میں ہوئی، معلوم ہوا کہ وائسرائے ہند کی کونسل کا رکن ظفر اللہ خان قادیانی کو بنایا جا رہا ہے تو اس پر رئیس الاحرارؒ نے ہندوستان کے وائسرائے سے احتجاج کیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے علماء سے اس کے لئے احتجاج کی اپیل کی۔ نیز قادیان میں احرار کانفرنس کرنے کا اعلان کر دیا۔ ہم اس اپیل سے پہلے ڈاکٹر اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز جو کہ قادیانی ہیں کی ایک تحریر پیش کرتے ہیں

۱۹۳۲ء میں سر فضل حسین وائسرائے ہند کی کونسل کے رکن چار ماہ کی رخصت پر گئے۔ ان کی جگہ علامہ کے تقرر کا ذکر اخبارات میں آیا لیکن وزیر ہند نے چوہدری ظفر اللہ خان کو مقرر کر دیا۔ سر فضل حسین کی تقرری کی معیاد اپریل ۱۹۳۵ء میں ختم ہونے والی تھی چونکہ چوہدری ظفر اللہ خان عارضی طور پر چار ماہ ان کی جگہ کام کر چکے تھے اس لیے ان کا نام بھی مستقل تقرری کے سلسلہ میں لیا جا رہا تھا۔ ان کی تقرری کے خلاف احراریوں اور روزنامہ ''زمیندار'' نے زبردست پراپیگنڈا شروع کر رکھا تھا۔ ''زمیندار'' نے ایک کھلا خط زیر عنوان ''مکتوب مفتوح بنام نائب سلطنت کشور ہند'' شائع کیا، جس میں لکھا کہ چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی ہیں اور قادیانیت ہرگز اسلام کا کوئی فرقہ نہیں بلکہ علیحدہ مذہب ہے اس لیے سر فضل حسین کی جگہ ان کو مقرر نہ کیا جائے بلکہ کسی ایسے جلیل القدر مسلمان کو یہ منصب رفیع سپرد کیا جائے جو مسلمانان ہند کے اعتماد کا حامل ہو۔ اس ضمن میں علامہ اقبال کا نام بھی لیا جا رہا تھا۔...... لارڈ ولنگڈن وائسرائے ہند نے ایک ملاقات میں علامہ کو یہ کہہ کر ''اب

ہم اکثر ملتے رہیں گے‘‘ سر فضل حسین کی جگہ ان کے تقرر کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ ممکن ہے احراریوں اور ’’زمیندار‘‘ کے پراپیگنڈا سے متأثر ہو کر لارڈ ولنگڈن نے وزیر ہند سے علامہ کے تقرر کی سفارش کی ہو اور انہیں اپنی سفارش کے منظور ہو جانے کا یقین بھی ہو۔ لیکن وزیر ہند نے اتفاق نہ کیا ہو۔ آخر کار اکتوبر ۱۹۳۴ء میں چوہدری ظفر اللہ خان کے تقرر کا اعلان ہو گیا اور مئی ۱۹۳۵ء میں انہوں نے چارج بھی سنبھال لیا۔ پھر کیا تھا، احراریوں اور علامہ کے حاشیہ نشینوں کو علامہ کو بھڑکانے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ (زندہ رود جلد ۳، صفحہ ۲۹۸۔۲۹۹)

شیخ اعجاز نے احرار کی طرف سے جس پرور پیگنڈے کا ذکر کیا ہے وہ رئیس الاحرارؒ کی اس اپیل کی طرف بھی اشارہ ہے جو کہ انہوں نے اس وقت علماء اور عوام الناس سے کی تھی، اور غالباً یہ اس وقت مولانا ظفر علی خان کے اخبار ’’زمیندار‘‘ اور ’’الجمعیۃ دہلی‘‘ میں بھی ۲۹ اگست ۱۹۳۴ء میں بھی شائع ہوئی تھی۔ وہ یہ ہے

۲۹ اگست ۱۹۳۴ء

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ میں سے ہر شخص پورے اخلاص اور دیانت داری کے ساتھ عقائدِ مرزائیہ کی تردید کے لئے پوری پوری کوشش کر رہا ہے۔ مگر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے کہ آپ حضرات اپنے سامنے یہ دیکھ رہے ہیں کہ حکومت مسلمانوں کے حقوق کے نام پر مرزائیوں کو بڑی بڑی ملازمتیں دے رہی ہے۔ لیکن آپ حضرات نے کبھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی مرزائیت عوام کے اندر فنا ہو چکی ہے اور اس کی مذہبی تبلیغ تحریکِ احرار اور زمیندار کی مسلسل کوششوں کی وجہ سے میدان میں شکست کھا چکی ہے۔ اب مرزائیت کی تبلیغ اور ترویج کا ذریعہ حکومت کی امداد ہے۔ یعنی حکومت مرزائیوں کو بلند عہدے دے کر مسلمانوں پر یہ ثابت کر رہی ہے کہ جو مسلمان اس زمانہ میں ملازمت چاہتا ہے وہ مرزائی مذہب اختیار کرے۔ اس سلسلہ میں یہ وحشت ناک خبر سنی گئی ہے کہ عنقریب وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں میاں سر فضل حسین کی جگہ چودھری ظفر اللہ قادیانی کو ممبر بنایا جائے گا۔

مجھے معاف فرمایا جائے۔ اگر میں یہ کہوں کہ آپ حضرات کے نزدیک کسی مسجد میں

ایک مرزائی کا امام ہونا خطرہ کا باعث ہوتا ہے لیکن کسی مرزائی کا حکومت میں عہدہ حاصل کر لینا اتنا خطرناک نہیں۔حالانکہ اس زمانہ میں مسجد کے امام کی آواز حکومت کے عہدیدار کے مقابلہ میں کوئی اثر نہیں رکھتی۔آپ صاحبان یقین رکھئے کہ اگر خدانخواستہ ظفر اللہ مرزائی وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بن گیا تو ہزاروں تعلیم یافتہ مسلمان صرف اس کی خوشنودئ مزاج کے لئے ہی مرزائی ہو جائیں گے۔جس کے خوفناک نتائج کا مقابلہ کرنا آپ کے بس کی بات نہ ہوگی۔

اندریں حالات آپ کا فرض ہے کہ آپ پوری قوت کے ساتھ حکومت پر یہ واضح کر دیں کہ تمام مرزائی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔اور حکومت کا کسی مرزائی کو مسلمانوں کے نام

پر کسی قسم کا عہدہ یا ملازمت دینا ہمارے اسلامی حقوق کیساتھ انتہائی بے انصافی اور ظلم ہے۔

آپ حضرات کو صاف طور سے حکومت پر یہ واضح کر دینا چاہیے کہ اگر ظفر اللہ ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنایا گیا تو ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ حکومت در پردہ مرزائی مذہب کو فروغ دے کر مسلمانوں کے عقائد کو فنا کرنا چاہتی ہے۔

سنئے! مرزائیت کیوں زندہ ہے۔اس لئے نہیں کہ مسلمان انہیں کافر سمجھتے ہیں بلکہ صرف اس لئے کہ جو جماعتیں مسلمانوں کی نمائندہ جماعتیں ہونے کی دعویدار ہیں۔ان میں مرزائیوں کو نہ صرف ممبر بنایا گیا بلکہ عہدے بھی دیئے گئے۔چنانچہ مختلف مقامات کی انجمن ہائے اسلامیہ میں ان کو بطور ممبر یا عہدیدار جگہ دی گئی۔یہی ظفر اللہ قادیانی ضلع سیالکوٹ کی طرف سے بلا مقابلہ مسلمانوں کے ووٹ پر پنجاب کونسل کا ممبر منتخب ہوتا رہا جس کی وجہ سے یہ سمجھا گیا کہ صرف چند صوفیاء اور علماء مرزائیوں کو کافر کہتے ہیں ورنہ اگر مرزائی حقیقتاً کافر ہوتے تو کوئی مسلمان

جماعت نہ تو ان کو اپنا ممبر بناتی اور نہ کوئی عہدہ دیتی اور نہ ہی کوئی مرزائی مسلمانوں کے ووٹ پر کونسل میں جاتا۔

ان حالات کے ذکر کے بعد مزید تفصیل کو چھوڑتے ہوئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک آپ حضرات حسب ذیل طریقوں سے مرزائیت کی علانیہ مخالفت نہ کریں گے۔اس وقت تک حکومت ان کا ساتھ نہ چھوڑے گی۔

۱۔آپ اعلان کریں کہ کسی سوشل مذہبی سیاسی انجمن میں کسی مرزائی کو نہ تو ممبر بنایا جائے اور نہ کوئی عہدہ دیا جائے۔

۲۔کسی مرزائی کو میونسپل کمیٹی،ڈسٹرکٹ بورڈ،کونسل،اسمبلی میں مسلمانوں کی طرف سے نمائندہ منتخب نہ ہونے دیا جائے اور جو مسلمان جماعت کسی مرزائی کو اپنا ممبر یا عہدہ دار بنائے اس جماعت کا تمام مسلمان بائیکاٹ کردیں اوراس کو ایک پائی کی امداد نہ دیں۔ میں آپ حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ ان دو طریقوں سے مرزائیت کو شکست دینے کی کوشش کریں گے تو مرزائیت آپ کے سامنے ہی فنا ہو جائے گی۔

۳۔آپ حضرات کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ مجلس احرار اسلام ہند نے اپنے ماتحت شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام ہند(جس کا صدر دفتر امرتسر میں ہے) قائم کردیا ہے۔جس کو سیاسیات ملکی سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔تاکہ ہر خیال کا مسلمان اس میں شریک ہوسکے۔اس شعبہ تبلیغ کے ماتحت قادیان میں مجلس احرار اسلام قائم کرائی گئی ہے۔خاص قادیان میں مسلمانوں کے اس تبلیغی مشن کو قائم ہوئے تقریباً ایک سال گزر چکا ہے۔چونکہ شعبہ تبلیغ کی سالانہ رپورٹ شائع ہونے والی ہے۔اس لئے میں اختصاراً ان خدمات کا ذکر کرتا ہوں جو اس قلیل عرصہ میں بفضلہ تعالیٰ انجام دی گئیں۔

۱۔قادیان کی اسلامی مسجد میں درس قرآن کریم۔

۲۔مبلغین کلاس جس میں ۱۴طلباء ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔

۳۔جامعہ محمدیہ جس میں مسلمانوں کے بچوں کو فی الحال پرائمری تک تعلیم دی جاتی ہے تعداد طلباء ۸۵ ہے۔

۴۔مسجد احرار تیار کی گئی۔

۵۔متعدد مرزائی تائب ہوئے اور بہتوں کو مرزائیت کا شکار ہونے سے بچایا گیا۔

۶۔ملحقہ دیہات میں تبلیغی دورے کئے گئے۔

۷۔جامع مسجد میں اہل سنت والجماعت۔اب ڈیڑھ ہزار مسلمان نماز جمعہ میں شریک ہونے کے لئے مضافاتِ قادیان سے تشریف لاتے ہیں۔

۸۔مجلس احرار قادیان کے دفتر میں جھنڈا لگایا گیا۔

۹۔اس عرصہ میں تین جلسے ہو چکے ہیں۔پہلی مرتبہ میں خود قادیان گیا۔دوسرے جلسہ میں مولانا عبدالغفار صاحب غزنوی اور تیسرے میں مولانا محمد بہاؤالحق صاحب قاسمی۔ہر جلسہ میں ہزارہا کی تعداد میں مسلمان شریک ہوتے رہے۔

۱۰۔تین علماء خاص قادیان میں مستقل طور پر متعین ہیں۔شعبہ تبلیغ نے مسلمانوں کے تبلیغی نظام کو منظم کرنے کے لئے متعدد علماء کرام کی خدمات حاصل کرلی ہیں۔تاکہ ہر جگہ کے مسلمانوں کو تبلیغی جلسوں کے لئے کسی دقت کا سامنا نہ ہو۔بلکہ مسلمانوں کے لئے مبلغین کا ایک مرکز موجود ہو۔نیز آپ یہ سن کر اور زیادہ خوش ہوں گے کہ عنقریب بتاریخ ۲۱،۲۲،۲۳ ماہ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو خاص قادیان میں شعبہ تبلیغ کی طرف سے مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ ہونے والا ہے۔جس میں آپ صاحبان کی شرکت ضروری ہے تاکہ ہم یہ ثابت کرسکیں کہ باوجود اختلاف عقائد ہندوستان کے تمام علماء و مشائخ مرزائیوں کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں اور حکومت یہ سمجھ لے کہ مرزائیوں کی حمایت کرنا تمام مسلمانوں کو چیلنج کرنا ہے۔

مجھے پوری توقع ہے کہ آپ اس تبلیغی نظام کی رکنیت خود قبول فرمائیں گے اور اپنے متعلقین کو ہر قسم کی امداد دینے کی تلقین فرمائیں گے۔وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ظفراللہ قادیانی کے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں تقرر کے خلاف پبلک جلسے کر کے قرارداد پاس کرائی جائے اور وائسرائے ہند کو شملہ اور وزیر ہند کو لندن کے پتہ پر تار مختصر مضمون کے دیئے جائیں کہ ظفراللہ قادیانی کے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں تقرر کی خبر پر مسلمانوں نے انتہائی رنج کا اظہار کیا۔مفصل کاروائی جلسہ بذریعہ ڈاک ارسال کی جاتی ہے۔یہ الفاظ تار میں جائیں اور باقی مفصل کاروائی ڈاک میں روانہ کریں۔مگر یہ خیال

کریں کہ لندن کو ہوائی ڈاک میں خط جانا چاہئے۔ امید ہے کہ آپ حضرات فی الفور خود بھی اس کام کو انجام دیں گے اور اپنے متعلقین کو اس کام کے انجام دینے کی تاکید کریں گے۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس وقت تساہل یا سستی سے کام لیا گیا تو اس کے نتائج ناقابل برداشت ہوں گے۔

اسی سلسلہ میں ایک ضروری کام یہ بھی ہے کہ حسبِ ذیل مضمون کا ایک مسودہ لکھئے اور مسلمانوں کے دستخط کروا کر وزیر ہند اور وائسرائے کو فوراً ارسال کیجئے۔ مسودہ اردو میں لکھتا ہوں۔ مگر اس کو انگریزی میں کرلیا جائے۔ نیچے دستخط انگریزی اور نشان انگوٹھا جیسے دستخط کنندہ کروائے جائیں۔

چوہدری ظفر اللہ قادیانی مرزا غلام احمد کا مرید ہے۔ مرزائی مذہب کے نزدیک ہر وہ شخص اسلام سے خارج ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا اقرار نہ کرے۔ اس لئے مرزائی نہ کسی مسلمان کا جنازہ پڑھتے ہیں نہ کسی مسلمان امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ مرزائی خود بھی اپنے آپ کو مسلمانوں میں شامل نہیں سمجھتے۔ تمام دنیا کے علماء ان کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔ اس لئے چودھری ظفر اللہ کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنانا مسلمانوں کے حقوق پر صریحاً ظلم ہے۔ ہم دستخط کنندگان گورنمنٹ سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ کسی مرزائی کو مسلمانوں کے نام پر کوئی عہدہ اور ملازمت نہ دے۔

مجھے توقع ہے کہ آپ حضرات میری اس کمزور اور بے ربط آواز پر عمل فرما کر ملت اسلامیہ کی بہت بڑی خدمت سرانجام دیں گے۔

نوٹ: قادیان کے جلسہ میں شرکت فرمانے والے اصحاب فوراً دفتر شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام ہند امرتسر کے پتہ پر اطلاع دیں۔ جملہ خط و کتاب اسی پر پتہ پر کریں۔

حبیب الرحمٰن لدھیانوی، صدر مجلس احرار اسلام ہند لاہور

(مضامین رئیس الاحرار)

رئیس الاحرار کی وائسرائے ہند سے ملاقات

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی اس اپیل پر ملک بھر میں قراردادیں پاس

ہوئیں، جلوس نکالے گئے ان میں بھرپور طریقہ سے مطالبہ کیا گیا کہ یہ سیٹ مسلمانوں کی ہے، اسے مسلمانوں ہی کے سپرد کیا جائے۔ رئیس الاحرارؒ نے اسی اپیل پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ ایک وفد کی شکل میں وائسرائے ہند سے بھی ملاقات کی۔ اس وفد میں رئیس الاحرارؒ کے ساتھ میر احمد حسین شملہ والے، الہ آباد ہائی کورٹ کے وکیل مسٹر محمد احمد کاظمی شامل تھے۔ وائسرائے نے جواب میں کہا کہ:

''آپ ظفر اللہ کو مسلمان قرار نہیں دیتے لیکن وہ مسلمانوں کے ووٹ سے منتخب ہو کر آیا ہے''

ظفر اللہ کو دوہری حمایت حاصل تھی۔ ایک طرف سر فضل حسین تھے تو دوسری طرف ان کی تائید پر قادیانیوں کی برطانوی وفاداری کارفرما تھی۔ آخر ۱۰؍اکتوبر ۱۹۳۴ء کے اخبارات میں سرکاری اعلان کے ذریعہ چوہدری ظفر اللہ کو وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کا رکن نامزد کر دیا گیا۔ (کاروان احرار جلد۲، صفحہ ۸۰)

قادیان میں احرار کانفرنس

گزشتہ صفحات میں تفصیلاً گزر چکا ہے کہ قادیانیوں نے قادیان کے اندر کس طرح مسلمانوں پر جبر روا رکھا ہوا تھا اس جبر کو توڑنے کی ابتداء رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰنؒ نے کر دی تھی۔ ایسے حالات میں ضروری ہو گیا تھا کہ اس سلسلہ کو جاری رکھا جائے۔ چنانچہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے اپنی قادیان میں پہلی تقریر میں احرار کانفرنس کا اعلان کر دیا تھا اور فرما دیا تھا کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری صاحبؒ اس میں خطاب فرمائیں گے جو کہ ۲۱، ۲۲، ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو امیر شریعت کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔

رئیس الاحرار کی طرف سے امیر شریعت کو کانفرنس کی صدارت کا حکم

خلافت تحریک کے دنوں میں امیر شریعت صرف ''زمیندار'' اخبار ہی پڑھا کرتے تھے اور اسی سے متاثر ہو کر وہ سیاسی میدان میں آئے۔ اس تعلق سے امیر شریعت کے دل میں مولانا ظفر علی خاں کے لئے بے پناہ احترام تھا، پھر دونوں ایک ہی ڈگر پر چلنے لگے۔ جیل خانوں کی اکثر راتیں مشترک گزریں۔ اسی محبت اور تعلق کی بناء پر ۱۹۳۴ء کو جب قادیان میں احرار کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا، تو امیر شریعت نے اس کی صدارت کے لئے مولانا ظفر علی خاں کا نام پیش کیا۔ لیکن مولانا حبیب الرحمٰن کی رائے تھی کہ اس کی صدارت

امیر شریعت کریں، اس پر خاصی تکرار رہی۔ آخر مولانا حبیب الرحمٰن نے لدھیانہ سے امیر شریعت کے نام پیغام بھیجا کہ:

میرا حکم ہے کہ قادیاں کانفرنس کی صدارت آپ کریں، بس!

اس حکم پر سر تسلیم خم کر دیا گیا۔ تاریخ کا یہی وہ موڑ ہے، جہاں مولانا ظفر علی خان مجلس احرار سے علیحدہ ہو گئے۔ (حیات امیر شریعت صفحہ ۴۱۸، ۴۱۹، مؤلف جانباز مرزا)

مولانا ظفر علی خان اس کے بعد مجلس احرار اسلام کی تخریب میں لگ گئے۔ مجلس احرار اسلام کے مقابلہ میں مجلس اتحاد ملت بنائی، امیر شریعت کے مقابلہ میں امیر ملت بنایا۔ پھر سر فضل حسین کے ساتھ مل کر مسجد شہید گنج کا ملبہ مجلس احرار اسلام پر گرایا۔ جس میں قادیانیوں کا خلیفہ بشیر الدین بھی شامل تھا۔ مگر اقبال کی طرف سے مجلس احرار کے ساتھ تعاون کا تسلسل برقرار رہا۔ اس کی تفصیل پھر آئے گی۔

قادیان کانفرنس میں امیر شریعتؒ کی تقریر کا ایک اقتباس

آغا شورش کاشمیری نے امیر شریعت کی قادیان میں احرار کانفرنس میں تقریر کا ایک اقتباس نقل کیا ہے

''وہ (مرزا محمود) نبی کا بیٹا، میں نبی کا نواسہ ہوں۔ وہ آئے اور مجھ سے اردو پنجابی، فارسی، میں ہر معاملہ سے متعلق بحث کر لے۔ یہ جھگڑا آج ہی طے پا جاتا ہے۔ وہ پردے سے باہر نکلے، نقاب اٹھائے، کشتی لڑے، مولا علی کے جوہر دیکھے، ہر رنگ میں آئے وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے میں ننگے پاؤں آؤں، وہ حریر و پرنیاں پہن کر آئے۔ میں موٹا جھوٹا پہن کر آؤں۔ وہ مزعفر کباب یاقوتیاں اور ابا کی سنت کے مطابق پلومر کی ٹانک وائن پی کر آئے میں نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آؤں'' ۔ ہمیں میدان ہمیں گو۔ غرض اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن سے شاہ جی علیہ الرحمتہ کی خطیبانہ عظمت کا سراغ ملتا ہے اس کی سب سے بڑی شہادت تحریک ختم نبوت کا وہ بانکپن تھا جس کے نشہ میں لوگوں نے جانیں نچھاور کی تھیں۔ (سوانح افکار سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۲۱۲)

تاہم امیر شریعت کے خلاف اس تقریر کے جرم میں مقدمہ بنا دیا گیا۔ جس میں گرفتاری بھی ہوئی پھر رہائی ہوئی۔

برطانوی دارالعوام میں قادیانیوں کی ہمدردی کا مظاہرہ

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور ان کی جماعت مجلس احرار اسلام کی طرف سے قادیانیوں پر پے درپے اخلاقی، دینی، عوامی دباؤ کی بنیاد پر قادیانیت بلبلا اُٹھی۔ تحریک کشمیر اور پھر اس کے بعد قادیان میں رئیس الاحرارؒ کی تقریر اور بعد میں قادیان میں احرار کانفرنس، جس میں امیر شریعتؒ کا خطاب، جس کی وجہ سے قادیانیوں کے اصل حقائق ''عوام الناس اور خاص کر انگریزی پڑھا طبقہ جو کہ قادیانیوں کے دجل و فریب کو نہیں سمجھتا تھا'' کے سامنے کُھل کر آنا شروع ہو گئے۔ اس پر قادیانیوں نے اپنے خداوندانِ مغرب کو اپنی مدد کے لئے پکارا۔ چنانچہ انگریز نے اپنے خود کاشتہ پودے، جس کی وہ آبیاری کر رہا تھا، حفاظت کی ٹھانی۔ اور باقاعدہ طور پر قادیانیوں کے حق میں لندن میں اپنی پارلیمنٹ میں آواز بلند کی۔ اس کی خبر اس وقت ''سہ روزہ الجمعیۃ، دہلی'' نے ان الفاظ میں شائع کی۔

برطانوی دارالعوام میں قادیانیوں کی ہمدردی کا مظاہرہ۔ ایک رکن پارلیمنٹ کا سوال اور نائب وزیر ہند کا جواب۔

لندن، ۲ راگست: برطانوی دارالعوام میں مسٹر ایلموٹ کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر ٹیلر نے کہا کہ احمدیہ جماعت میں کچھ عرصہ سے سخت کشیدگی کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ موسم خزاں سے احراریوں کی معاندانہ سرگرمیاں احمدیوں کے خلاف بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں، اور ان کا سلسلہ بدقسمتی سے اب تک جاری ہے۔ حکومت پنجاب ان سرگرمیوں کو نہایت غور و توجہ کے ساتھ معائنہ کر رہی ہے۔ (سہ روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی۔ ۵ راگست ۱۹۳۵ء)

رئیس الاحرار سے ڈر کر مرزا بشیر الدین کے بھاگنے پر مولانا ظفر علی خان کی نظم

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے قادیان میں داخلے اور مسلسل مرزائیت کے تعاقب نے تمام مرزائیوں کو ہراساں کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ وزیر آباد تشریف لے گئے۔ جب واپسی پر وزیر آباد ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو وہاں مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا اور مرزائیوں کا خلیفہ دوم مرزا بشیر الدین محمود بھی تھا۔ جب مرزا بشیر الدین محمود نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو دیکھا تو وہاں سے اس طرح بھاگا جیسے لاحول پڑھنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ یہ واقعہ

جب مولانا ظفر علی خان مرحوم کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس پر یہ اشعار قلمبند کئے۔

شیر خدا کا ایمان

(از مولانا ظفر علی خان صاحب)

جس کے ایثار سے ملت کی دوبالا ہوئی شان

اس جماعت کے ہیں سردار حبیب الرحمان

ان کے ماحول کو لاحول سے دیجئے تشبیہ

کہ ہوا پاس پھٹکتے ہی فَـــفِـــرُّو شیطان

جمع ٹوڈی ہوں جہاں گر یہ پہنچ جائیں وہاں

نہیں ممکن کہ کسی طرح وہ ماریں میدان

تختہ دیتے ہیں اُلٹ سارے وفاداروں کا

آتے ہی ان کے خطا ہوتے ہیں سب کے اوسان

کاسہ لیسانِ جہاں کی رگِ جاں کے حق میں

دم شمشیر ہے اس شیر خدا کا ایمان

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ

(عبدالباسط چمپارنی، دارالعلوم آگرہ)

راجح قول کے مطابق ''صحابی'' اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے بہ حالت بیداری (ایمان کی حالت میں) اپنی آنکھوں سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں یعنی دین اسلام پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و درجات کا ذکر تو بہت سی حدیثوں میں ہے ان کا ذکر (احاطہ) کرنا تو یہاں پر دشوار ہے ان میں سے چند حدیثیں نقل کی جاتی ہے۔ چنانچہ حصصین اور تمام کتب احادیث میں عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! **خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم** بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں جو اس سے متصل ہیں۔ (صحابہ کرامؓ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے صحابہ کی تعظیم کرو وہ تم میں سب سے اچھے ہیں۔ لہذا اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنا ان کی تحقیر کرنا ان پر زبان طعن دراز کرنا، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی مول لینا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی االلہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ کے حق میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد تم ان (صحابہؓ) کو نشانہ ملامت نہ بنانا (یاد رکھو) جو شخص ان کو دوست رکھتا ہے وہ میری وجہ سے ان کو دوست رکھتا ہے اور جو شخص ان سے دشمنی رکھتا ہے تو وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے ان سے دشمنی رکھتا ہے اور جس شخص نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے گویا مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس شخص نے مجھ کو اذیت پہنچائی اس نے گویا اللہ کو اذیت پہنچائی تو وہ دن دور نہیں جب خدا اس کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔

''اللہ سے ڈرو'' یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید و مبالغہ کے لئے دوبار ارشاد فرمایا۔ صحابہ کے حق میں اللہ سے ڈرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی عزت و توقیر کی جائے، ان کی عظمت

وفضیلت کو ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے اور صحبت رسول کا جو بلند ترین مقام ان کو حاصل ہے اس کا حق ادا کیا جائے۔

صحیحین ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لاتسبوا اصحابی فان احد کم لو انفق مثل احد ذھبا۔

میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی اگر احد پہاڑ کے برابر مالکم مداحدھم ولا نصیبہ سونا اللہ کے راہ میں خرچ کرے تو صحابہ کے ایک مد یا آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

اس حدیث پاک کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے صحابی کا ایک عمل دوسرے کے احد پہاڑ کے برابر وزن سے بڑھا ہوا ہے۔اس لئے ان کے اعمال پر دوسروں کے اعمال کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولو العنة اللّٰہ علی شر کم ۔جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کہو اللہ کی لعنت ہو تمہاری بری حرکت پر (ترمذی)

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحابہ کو برا کہنے والے کی برائی (لعنت) خود اسی کی طرف لوٹ جاتی ہے کیونکہ فتنہ وشر والا تو وہی ہوتا ہے۔جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اہل خیر میں سے ہیں اور اس اعتبار سے وہ صرف رضا ورحمت کے سزاوار ہیں نیز حدیث میں مذکور حکم اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس شخص (جو صحابہ کو برا کہے) کی ذات پر لعنت کرنے کے بجائے اس فعل پر لعنت کرنا اختیار کے قرین ہے۔

ایک حدیث میں ابن عدیؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ بلاشبہ میری امت کے بُرے لوگ وہ ہیں جو میرے صحابہ کے بارے میں گستاخ ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو جنگیں لڑی ہیں ان میں حالات جنگ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل اور صفین کے موقع پر ایک آدمی کو سنا کہ وہ مقابل لشکر والوں کے بارے میں تشدد آمیز باتیں کہہ رہا ہے تو اس پر آپ نے فرمایا۔ان

حضرات کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہو دراصل ان لوگوں نے سمجھا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اس بناء پر ہم سے لڑتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک بار پوچھا گیا کہ جنگ جمل اور صفین میں قتل ہونے والوں کا انجام کیا ہوگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں جو شخص بھی صفائی قلب کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا وہ جنت میں جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کا اختلاف اجتہادی اختلاف تھا اس کی بناء پر وہ حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ فاسق نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے حق میں کلمات خیر کے سوا کسی بات کے روادار نہ تھے۔

دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر ہیں۔ میرا ان سے اختلاف صرف قصاص عثمان کے مسئلہ میں ہے۔ اگر وہ خود عثمان کا بدلہ لے لیں تو میں اہل شام میں سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا ہوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ کی باہمی لڑائیاں اقتدار کی خاطر نہ تھیں بلکہ دونوں ہی فریق دین کی سربلندی چاہتے تھے اور یہ خود ایک دوسرے کے بارے میں یہی جانتے اور سمجھتے تھے کہ ان کا موقف دیانتدارانہ اجتہاد پر مبنی ہے۔ چنانچہ دونوں فریق میں سے ہر ایک دوسرکورائے اور جتہاد میں غلطی پر سمجھتا تھا لیکن کسی کو فاسق نہیں قرار دیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شاید دنیا کی تاریخ کی یہ پہلی جنگ ہے کہ رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مثبت کردار کا معیار بنایا ہے اسی طرح منفی پہلو میں بھی نمائندگی کا شرف بخشا ہے۔ انہوں نے دشمنی کی حدود کی وضاحت اپنے معاملات و مشاجرات سے امت کو تحفہ مرحمت فرمایا ہے۔

شرح السنۃ میں ابو منصور بغدادریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمارے تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سب سے افضل خلفاء اربعہ ہیں اور ان میں ترتیب خلافت کا اعتبار ہے یعنی سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی

اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ ہیں، ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ خلفاء اربعہ کے بعد پھر سب سے افضل وہ صحابہ ہیں جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے، ان کے بعد سب سے افضل وہ صحابہ ہیں جو جنگ بدر میں شریک تھے، ان کے بعد سب سے افضل دو صحابہ ہیں جو جنگ احد میں شریک تھے، ان کے بعد سب سے افضل بیعت رضوان میں شریک صحابہ، ان کے بعد وہ انصار صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں مرتبہ بیعۃ الاولی اور بیعۃ الثانیہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ اسی طرح وہ صحابہ جن کو ''سابقون الاولون'' کہا جاتا ہے یعنی جنہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی اور ابتداء کی اور ابتداء اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور جن کو دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور کعبہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا موقع ملا، ان صحابہ سے افضل ہیں جو ان کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی محبت تھی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ چنانچہ احد کی لڑائی میں صفوان بن امیہ نے حضرت زید بن دشنہ کو پچاس اونٹ کے بدلہ میں خرید لیا تھا کہ اپنے باپ امیہ کے بدلہ میں قتل کرے۔ صفوان بن امیہ نے فوراً ہی حرم سے باہر اپنے غلام کے ساتھ بھیج دیا کہ قتل کر دیئے جاویں۔ تماشیوں کا ہجوم تھا سارے لوگ اس قتل کے بھیانک انجام کو دیکھنے کے لئے چاروں طرف سے کھڑے تھے جس میں ابوسفیان بھی موجود تھا۔ اس نے حضرت زیدؓ سے آخری تمنا (شہادت) کے وقت میں پوچھا تھا کہ اے زید خدا کی قسم سچ کہنا کیا تجھ کو یہ بات پسند ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن تیرے بدلہ تیرا نبی قتل کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں حضرت زید بن دشنہؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ہیں وہیں ان کے تلوؤں میں ایک کانٹا چبھ جائے اور ہم اپنے گھر آرام سے بیٹھے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا۔ کہ ان کے پاؤں کے تلوؤں میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضور سے کتنی محبت تھی؟ آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں، اپنی اولادوں، اپنی ماؤں اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے اور شریں پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے، اور کیوں نہ ہوتے جب کہ وہ حضرات تو کامل الایمان تھے۔ چنانچہ ایک صحابی نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیامت

کب آئے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے جس کی وجہ سے انتظار ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے بہت روزے، صدقے اور بہت سی نمازیں تو تیار نہیں کر رکھی ہے البتہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میرے دل میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو۔

ایک اور صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ کی محبت مجھے میرے جان و مال اور اہل وعیال سے زیادہ ہے میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آ جاتا ہے تو صبر نہیں کر پاتا، یہاں تک کہ حاضر ہوں اور آ کر زیارت نہ کرلوں۔ اسی طرح اور ایک صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت ہے کہ جب خیال آ جاتا ہے اگر اس وقت میں آ کر زیارت نہ کرلوں تو مجھے غالب گمان ہے کہ میری جان نکل جائے مگر مجھے خیال ہے کہ اگر میں جنت میں داخل بھی ہو گیا تو آپ سے نیچے درجہ میں رہوں گا۔ مجھے تو جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بغیر بڑی مشقت ہو گی۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا کہ جبرئیل تشریف لائے اور یہ آیت سنائی:

ومن يطع اللّٰه و الرسول فاولئك مع الذين انعم اللّٰه عليهم من النبيين والصديقين والشهدآء والصالحين و حسن اولئك رفيقا ذالك الفضل من اللّٰه و كفى باللّٰه عليما۔

جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی جنت میں ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صالحین اور صدیقین اور شہداء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں اور ان کے ساتھ رفاقت محض اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہ آیت سنائی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دین کی خاطر جس قدر تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں ان کا برداشت کرنا تو درکنار اس کا ارادہ کرنا بھی ہم جیسے نالائقوں سے دشوار ہے۔ آج ہمارے سامنا صحابہ کرامؓ کے ایسے ایسے دل دہلا دینے والے واقعات موجود ہیں جن کو پڑھ کر ایک حساس

انسان کا کلیجہ منہ کو آ جاتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، دل و دماغ کا توازن درست نہیں رہتا، طبیعت پریشان ہو جاتی ہے۔

صحابہ کرامؓ ہی کی ایک ایسی مقدس جماعت تھی جس نے ایسی جوانمردی اور جانثاری سے حوادثات کا مقابلہ کیا جس کی مثال موجودہ دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بڑی سے بڑی مصیبت بھی ان کے پائے استقامت کو ڈگمگا نہ سکی۔ ہزار ہا بار کفرستان کے تند جھونکوں نے ان کی شمع ایمانی گل کرنے کی کوشش کی مگر ایمانی روشنی میں ذرہ برابر بھی کمزوری پیدا نہ ہوئی۔

حضرت عثمان غنیؓ سے کون واقف نہیں ہے آپ خاندان میں معزز شمار کئے جاتے تھے لیکن جس وقت دولت اسلام سے مالا مال ہوتے ہیں تو اپنی قوم میں سخت مجرم قرار دیئے جاتے ہیں اس کی پاداش میں غیروں نے نہیں بلکہ اپنوں میں سے حقیقی نے آپ کو رسیوں سے باندھ کر مارا۔ حضرت زید بن عوام جس وقت مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں تو خود ان کے چچا نے ان کی تکلیف کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ ان کو ایک چٹائی میں لپیٹ کر مارا۔ مشرکین مکہ کی ایذا رسانی کی یہ کیفیت ان لوگوں کے ساتھ تھی جو خاص ان کے رشتہ دار ہوتے۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لوہے کی زرہ پہنا کر تپتی ہوئی زمین پر لٹایا جاتا کبھی تپتے ہوئے پتھر اور گرم گرم ریت پر آفتاب کی سخت گرمی میں ان کو تکالیف پہنچائی جاتیں کبھی ایسا ہوا کہ مکہ کے لڑکے ان کی گردن میں رسی باندھ کر پہاڑوں میں کھینچتے پھرتے۔

حضرت رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ ان کا آقا صفوان بن امیہ نے تکالیف کا جو سلسلہ جاری رکھا اس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ پیروں میں بیڑیاں ڈال کر تپتی ہوئی دھوپ میں لٹا دیتا تھا اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ایک وزنی پتھر ان کے اوپر رکھ دیتا تھا جس کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا ہونا پڑتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ بے ہوش ہو جاتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کے بعد ایک مرتبہ خبابؓ کی پیٹھ دیکھ کر فرمایا۔ یہ تمہاری پیٹھ پر کیسے نشانات ہیں۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں کہ کفار نے اسلام لانے کے جرم میں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا تھا۔ علی ہذا القیاس اس طرح بہت سے صحابہ اسلام کی خاطر تکالیف میں مبتلا کئے گئے لیکن انہوں نے اپنے مقصود حقیقی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ایمانی جذبہ کے ماتحت بڑی سے بڑی مشکل کا سامنا کیا مگر ہر حال میں اپنے آپ کو اسلام کا سچا شیدائی ثابت کر دکھایا۔

محرم الحرام اور یوم عاشوراء

مولانا حماد الرحمن لدھیانوی

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں انسانوں کی رھنمائی کیلئے اور کفر وظلمت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان واطاعت کی روشنی سے منور کرنے کے لئے مبعوث فرمایا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی اسی پیغام الٰہی کو امت تک پہنچایا۔اور پوری انسانیت کیلئے اس حجت کو تام کرنے کے بعد اعلان فرمادیا کہ جو میری اور میرے صحابہ کی پیروی کرے گا وہ ہی نجات پائے گا۔

آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مسلمانوں میں مختلف احوال سے متاثر ہو کر مختلف نظریات نے جنم لیا اور ان کو دین کے نام پر رواج دیا گیا ان کی فہرست بہت طویل ہے،مگر سر فہرست محرم الحرام اور اس مہینہ کے بارے میں افراط وتفریط پر مشتمل مختلف نظریات وعبادات ہیں جو مرور زمانہ کے ساتھ مزید بڑھتی جارہی ہیں،عوام تو عوام،خواص بھی اس مہینہ کی اہمیت اور فادیت سے نابلد ہیں ،صرف سنی سنائی باتیں،گھڑے ہوئے نظریات ہی کو محرم کی فضیلت وعبادت مان لیا گیا ہے۔

محرم الحرام میں جو اہم واقعات پیش آئے انمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا دسویں محرم کو اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا،اور تاریخ اسلامی کی ابتداء اسی مہینہ سے قرار پانا اور یکم محرم الحرام کو ثانی خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا قابل ذکر ہے۔مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ محرم الحرام کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام اور ان کی سیرت وکردار کے بارے میں کم ہی تذکرہ سننے میں آتا ہے۔باقی اس مہینہ میں عبادت کا طریقہ کیا ہے؟ آپ صل اللہ علیہ وسلم کا اس مہینہ میں معمول مبارک کیا تھا؟ ہمیں کن عبادات کا حکم دیا گیا؟ اس میں اجر وثواب کمانے کا کیا طریقہ ہے ؟ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی طرف ہماری نظر شاید ہی کبھی گئی ہو۔

ایسا مہینہ جو بنص حدیث رمضان کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والا ہو اس میں عبادت کے بارے

میں ہم حضور نبی کریم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے چند نمونے پیش کرتے ہیں

محرم الحرام کے متعلق متعدد احادیث مبارکہ وارد ہیں جن سے اس کی فضیلت ،عبادت کا طریقہ اور اضافہ کی گئی رسومات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

محرم الحرام میں کثرت صیام کی فضیلت

حدیث مبارک میں ہے جو حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر روزہ رمضان کے بعد اللہ کے نزدیک محرم کا روزہ ہے، اور بہترین نماز فرض نماز کے بعد رات کی نماز ہے(مسلم)

گویا رمضان کے بعد ثواب کے اعتبار سے اگر کثرت سے کسی مہینہ میں روزے رکھنے کا ثواب ہے تو وہ محرم الحرام کا مہینہ ہے۔لیکن پورا مہینہ نفلی روزے رکھنے کی بجائے مہینے کا اکثر حصہ روزے رکھنا زیادہ اولیٰ ہے اور اجر وثواب کا باعث ہے، یہی سنت نبوی ہے چنانچہ حدیث مبارک میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ،فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے؟ ،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مہینے کے روزے رمضان علاوہ رکھے ہوں ،اور نہ ہی کوئی مہینہ ایسا گزرا کہ اس میں آپ صل اللہ علیہ وسلم نے کسی مہینہ روزہ نہ رکھا ہو، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی گزاری۔(مسلم)

اس سے معلوم ہو کہ آپ صل اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ کبھی پورا مہینہ روزہ نہیں رکھا، لیکن کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا تھا کہ آپ صل اللہ علیہ وسلمنے اس میں تھوڑے زیادہ روزے نہ رکھے ہوں۔

یوم عاشوراء

دس محرم الحرام کو یومِ عاشورہ کہا جاتا ہے، یہ دن بڑا ہی مہتم بالشان اور عظمت کا حامل ہے۔تاریخ کے عظیم واقعات اس سے جڑے ہوئے ہیں، چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ :۔

1......یوم عاشورہ میں ہی حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔2......حضرت ادریسؑ کو اسی دن آسمان پر اٹھایا گیا۔3......اسی دن حضرت نوحؑ کی کشتی ہولناک سیلاب سے محفوظ ہوکر کوہ جودی پر لنگر انداز ہوئی۔

4......اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو "خلیل اللہ" بنایا اور ان پر آگ گلزار بنی۔

5......اسی دن حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ظلم واستبداد سے نجات دلائی۔ 6......اسی دن حضرت سلیمانؑ کو بادشاہت واپس ملی۔7......اسی دن حضرت ایوبؑ کو سخت بیماری سے شفا ہوئی۔ 8......اسی دن حضرت یونسؑ چالیس ۴۰ دن مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے بعد نکالے گئے۔ 9......اسی دن حضرت یوسفؑ کی ملاقات ایک طویل عرصہ کے بعد حضرت یعقوبؑ سے ہوئی۔ 10......اسی دن حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے اور اسی دن یہودیوں کے شر سے نجات دلا کر آسمان پر اٹھائے گئے۔

نیز علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ان دس جلیل القدر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مندرجہ بالا اہم واقعات کی بنیاد پر اس دن کا نام عاشورہ رکھا گیا۔

بعض علماء کرام نے مذکورہ بالا اہم واقعات کے علاوہ کچھ اور واقعات بھی بیان کیے ہیں جو یوم عاشورہ سے متعلق ہیں مثلاً:۔

۱......اسی دن اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین، قلم، حضرت آدمؑ وحواء علیہا السلام کو پیدا کیا۔

۲......اس دن قیامت قائم ہوگی۔ ۳......اسی دن حضرت موسیٰؑ پر توراۃ نازل ہوئی۔

۴......اسی دن حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش ہوئی۔ ۵......اسی دن حضرت یوسفؑ کو قید خانہ سے رہائی نصیب ہوئی اور مصر کی حکومت ملی۔ ۶......اسی دن دنیا میں پہلی باران رحمت (رحمت کی بارش) ہوئی۔

۷......اسی دن حضور اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

۸......اسی دن کوفی فریب کاروں نے نواسۂ رسول اور جگر گوشۂ فاطمہ رضی اللہ عنہما کو شہید کیا۔

۹......اسی دن قریش خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالتے تھے۔

(معارف الحدیث ۱۶۸/۴ پیغام حق وصداقت صفحہ ۱۶۸)

۱۰......اسی دن حضرت یونسؑ کی قوم کی توبہ قبول ہوئی اوران کے اوپر سے عذاب ٹلا۔

(معارف القرآن۔پ۱۱ آیت ۹۸)

صوم عاشوراء

عاشوراء کے دن یعنی دس محرم الحرام کو زیادہ سے زیادہ عبادت میں مشغول ہونا اور روزہ رکھنا مسنون ہے چنانچہ حدیث مبارک میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دن کے روزے کا اہتمام دوسرے دنوں سے زیادہ کرتے دیکھا اور وہ دن دسویں محرم کا ہے،اور اس مہینے کا بھی یعنی رمضان کا۔(صحیح بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے ،آپ نے یہود کو دیکھا کہ وہ دسویں کو روزہ رکھتے ہیں ،تو آپ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟

تو یہودیوں نے جواب دیا یہ بہترین دن ہے، یہ وہ دن ہے جب بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں سے نجات دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا ،آپ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں زیادہ حق دار ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تم سے ،آپ صل اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔(صحیح بخاری)

اس دن کے روزے کی بہت فضیلت ہے گویا رمضان کے بعد سب سے زیادہ اجر وثواب کا باعث یوم عاشوراء کا روزہ ہی ہے، جو محرم میں کثرۃ صیام کا اہتمام نہ کرسکے وہ کم از کم یوم عاشوراء کے روزے سے محروم ہو کر اس کی برکت وثواب سے محروم نہ،جس کی فضیلت کے بارے میں یہی کافی ہے کہ وہ گذشتہ سال کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں،جیسا کہ حدیث شریف میں مروی ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ دس محرم کا روزہ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ گذشتہ پورے سال کے روزوں کا کفارہ ہوجائے۔(صحیح مسلم)

لیکن مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ دسویں کے روزہ کے ساتھ ایک اور روزہ نویں کا یا گیارہویں محرم کا ملالیں تاکہ یہود کی مخالفت ہوجائے، جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود دسویں کو عید سمجھتے تھے، نبی صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھی دسویں کو روزہ رکھواور ایک اور دن ساتھ ملالو۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسویں کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی رکھنے کا حکم فرمایا، تو لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ دن ہے جس کی تعظیم یہود ونصاریٰ کرتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کے روزے کو ساتھ ملائیں گے، راوی فرماتے ہیں کہ آیندہ سال (عاشوراء سے پہلے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔(صحیح مسلم)

اس سے معلوم ہو کہ زیادہ اولیٰ یہ ہے کہ نویں کا روزہ دس محرم الحرام کے ساتھ ملا کر رکھنا زیادہ اولیٰ ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے نہ رکھ سے تو گیارہویں محرم کا روزہ دس کے ساتھ ضرور رکھے تاکہ مخالفت یہود ہوجائے۔

اس کے علاوہ علماء نے یوم عاشوراء کثرت ذکر، تلاوت قران کریم اور درود شریف جیسی عبادات کو کثرت سے کرنے کو باعث اجر وثواب لکھا ہے، اور اسلام کا طرہ امتیاز ہی اہم دن کے موقع پر عبادت میں مشغول ہونا ہے،

جس پر آیات قرآنی اور احادیث نبویہ بکثرت وارد ہوئی ہیں، اس تناظر میں بھی اگر دیکھا جائے تو محرم الحرام میں رائج رسومات وبدعات سے بچنے اور سیدھے راستے پر چلنے کا طریقہ صرف اور صرف وہ عبادات ہیں جو سنت نبوی سے ثابت ہیں،

اللہ تعالیٰ ان پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔



خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

حضرت سیدہ فاطمہؓ کی جنت میں شان

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ اہل جنت جنت میں نہایت چمکدار روشنی دیکھیں گے جس سے وہاں کا ہر حصہ روشن ہو جائیگا اہل جنت رضوان فرشتہ سے پوچھیں گے کہ یہ روشنی کیسی؟ اللہ نے تو فرمایا ہے

لا یرون فیھا شمسا ولا زمھریرا (جنت میں نہ دھوپ ہے نہ سردی) پھر یہ سورج جیسی روشنی کہاں سے آئی؟

رضوان فرشتہ کہے گا کہ یہ روشنی چاند سورج کی نہیں بلکہ یہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی مسکراہٹ ہے جس سے جنت میں روشنی پھیلی ہے۔

لیس ھذا بشمس ولا قمر ولکن علی وفاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما ضحکا فشرقت الجنۃ من نور ثغریھما (روح المعانی ج ۱۵ص ۱۷۸)

یہ چاند سورج کی روشنی نہیں حضرت فاطمہ اور حضرت علی کا مسکرانا ہے اور یہ ان کے دانتوں کی روشنی ہے جس سے جنت چمک پڑی ہے۔

☆......حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ

حضور ﷺ نے حضرت سیدہ فاطمہ سے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تم اور یہ دونوں یعنی حسنؓ حسینؓ اور حضرت علیؓ ایک جگہ ہوں گے۔

انا وایاك وھذین یعنی حسنا وحسینا

وھذا الراقد یعنی علیا فی مکان واحد یوم القیامۃ

(مرقات ج ۹ص ۹۶۳ طبع بیروت)

عورت کو خاوند کی نافرمانی سے اجتناب کا حکم

حضرت ابن عباس ؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ’’تین نمازیوں کی نماز ان کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی (۱) وہ شخص جو لوگوں کی (زبردستی) امامت کروائے جبکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں (۲) وہ عورت جو اس حال میں رات گزارے کے اس کا خاوند اس سے ناراض ہو (۳) دو مسلمان بھائی جو (کسی باطل پر یا تین دن سے زائد) باہم قطع تعلقی کریں۔‘‘

شرح حدیث:

امام سندیؒ ’’شرح سنن ابی ماجہ‘‘ میں فرماتے ہیں:

’’عورت اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو‘ اس وجہ سے کہ وہ اس کی اطاعت نہیں کر رہی جس کا وہ اس سے مطالبہ کر رہا ہو یعنی جماع‘ اس لیے ’’رات گزارنے‘‘ کا لفظ مذکور ہے کیونکہ عموماً یہ عمل رات کو ہی کیا جاتا ہے وگرنہ اس کام کو رات کے ساتھ خاص نہ کیا جاتا۔‘‘

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایسی قطع تعلقی جو دین میں جائز نہ ہو اس کے حامل افراد کی نماز سر سے اوپر نہیں جاتی۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ’’جب آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ آنے سے انکار کرے اور مرد غصہ کی حالت میں رات گزارے تو فرشتے صبح تک اس عورت پر لعنت کرتے ہیں۔‘‘

[صحیح: رواہ البخاری (۳۲۳۷) ومسلم (۱۴۳۶) وابوداؤد (۲۱۴۱) والدارمی (۲۲۲۸) واحمد (۹۳۷۹)]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ فرماتے ہیں: ’’’حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ اس عورت کو رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے جو اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو حالانکہ یہ اپنے خاوند سے مستغنی نہیں۔‘‘

[صحیح: رواہ النسائی فی السنن الکبری (۱/۸۴/۱) رواہ الشیخ الالبانی برقم (۲۸۹)]

عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں: ’’نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’دو نماز پڑھنے والوں کی نماز ان کے سر کے اوپر بھی نہیں جاتی (۱) ایک وہ غلام جو اپنے آقا سے بھاگا ہو یہاں تک کے واپس آجائے (۲) وہ عورت جو

اپنے خاوند کی نافرمانی کرے یہاں تک رجوع کرے۔''

[حسن: رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر (۹۷) والاوسط (۱/۱۶۹/۲) والحاکم فی المستدرک (۱۷۳/۴)]

بلاوجہ طلاق طلب کرنے کی ممانعت

حضرت ثوبانؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔ جو عورت اپنے خاوند سے بغیر کسی وجہ سے کے طلاق طلب کرے گی اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔''

[حسن: رواہ ابوداؤد (۲۲۲۶) والترمذی (۱۱۸۷) وابن ماجہ (۲۰۵۵)]

فرماتے ہیں:

''اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنت سے روک دی جائے گی اور یہ حدیث وعید کی نہج اور تہدید میں مبالغہ کے طور پر استعمال ہوئی ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایک موقع پر جنت کی خوشبو نہ سونگھ سکے گی یعنی جب نیک لوگ ابتدا میں جنت کی خوشبو سونگھیں گے تو اسے یہ نعمت نصیب نہ ہوگی یا مطلب یہ ہے کہ بالکل جنگ کی خوشبو نہ سونگھے گی۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ''یہ بھی ممکن ہے کہ اس پر جنت کی خوشبو حرام کر دی جائے اگرچہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔''

کسی کو طلاق دلوانے سے ممانعت

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: ''حضور انور ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ عورت کی شادی پھوپھی یا خالہ کے خاوند سے کروائی جائے (اور اس بات سے بھی منع کیا کہ) کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے تا کہ اس کے حصہ سے سیراب ہو بیشک اللہ تعالیٰ رزق دینے والا ہے۔''

[صحیح رواہ مسلم (۱۴۰۸)]

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں حضور ﷺ نے اس اجنبی عورت کو اس بات سے منع کیا کہ وہ کسی خاوند سے اس کی بیوی کی طلاق کا مطالبہ کرے اور اسے اس بات کی دعوت دے کہ مجھ سے شادی کرے تا کہ مطلقہ عورت کا نفقہ، سہولت، ازدواجی معاشرت اور دوسری نعمتیں اسے حاصل ہو جائیں، اس حدیث میں مذکورہ بہن سے مراد عام ہے خواہ نسبی بہن ہو یا مسلمان ہو یا کافرہ۔ واللہ اعلم۔''

بچوں کا صفحہ

نبی ﷺ سے محبت

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضور اقدس ﷺ سے کتنی محبت تھی؟

آپؓ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم! حضور ﷺ ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے زیادہ اور اپنی اولادوں سے زیادہ اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے"۔

سچ فرمایا، حقیقت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہی حالت تھی اور کیوں نہ ہوتی جب کہ وہ حضرات کامل ایمان والے تھے۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: " آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ سب چیزیں) تم کو اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا"۔

اس آیتِ شریفہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ان سب چیزوں سے کم ہونے پر وعید ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے"۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: "تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں ایمان کی حلاوت اور ایمان کا مزہ نصیب ہو جائے۔

(۱) ایک یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت تمام چیزوں سے زیادہ ہو۔

(۲) جس کسی سے محبت کرے اللہ ہی کے واسطے کرے۔

(۳) کفر کی طرف لوٹنا اس کو ایسا ہی بھاری اور مشکل ہو جیسا کہ آگ میں گرنا۔

خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ

فیصل آباد پاکستان

ملیہ

کے گذشتہ شمارے

آن لائن پڑھیے

1430 H -2008

1431 H - 2009

1432 H - 2010

1433 H - 2011

1434 H - 2012

1434 H - 2013

1435H - 2014

انٹرنیٹ ایڈریس

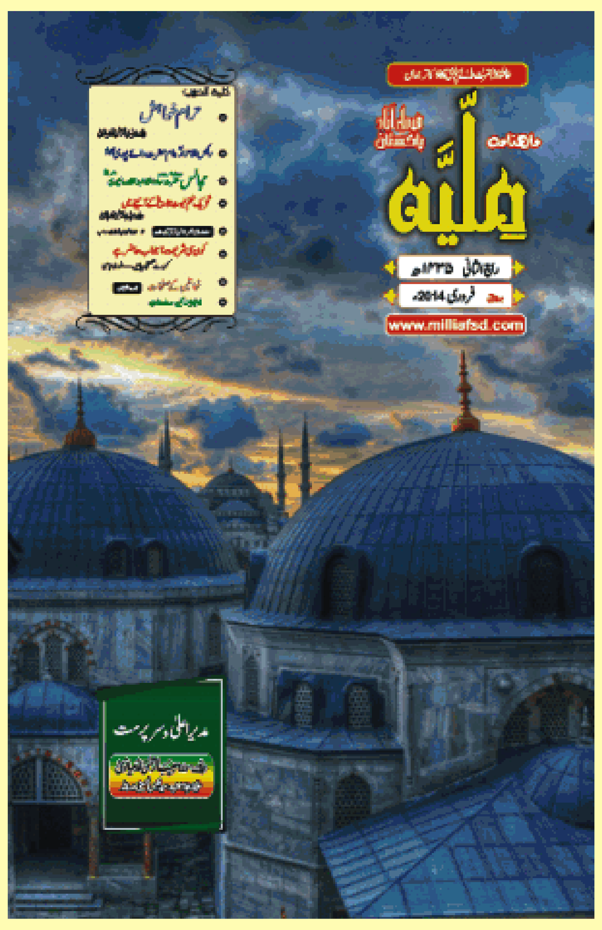
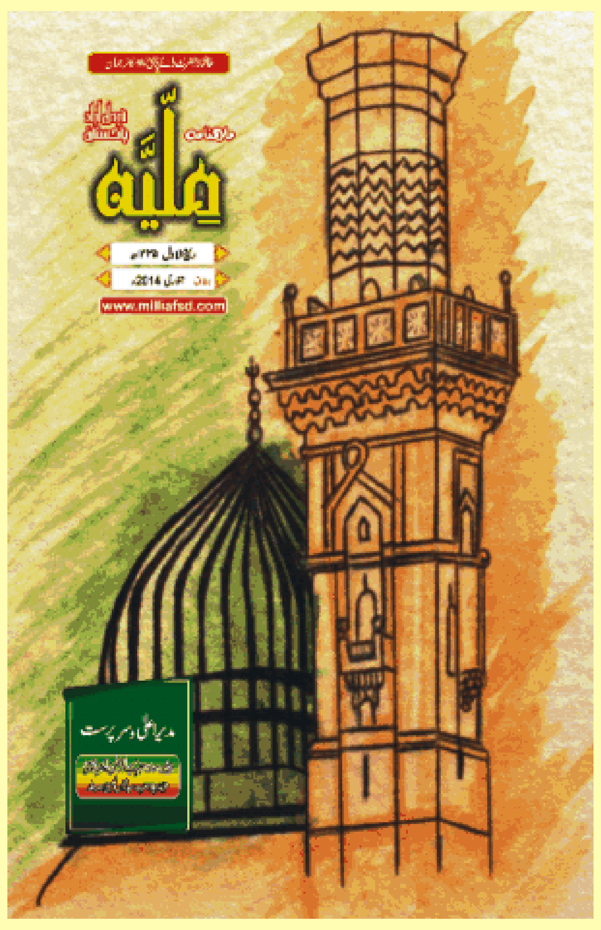
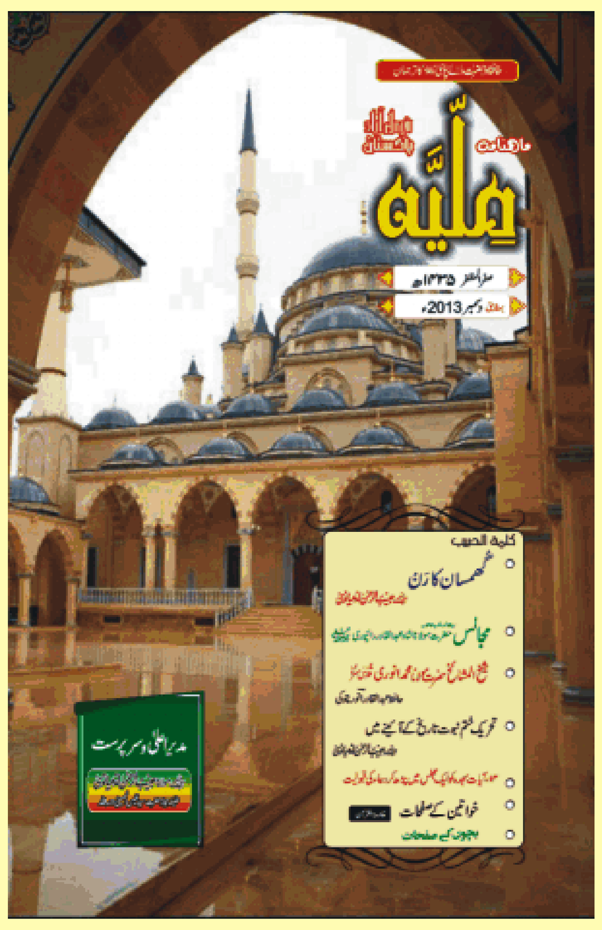
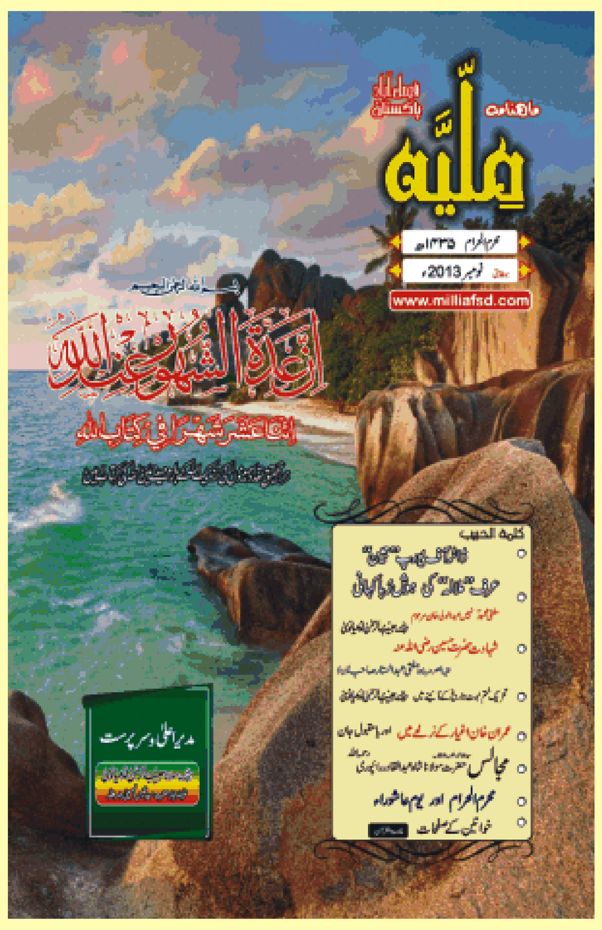
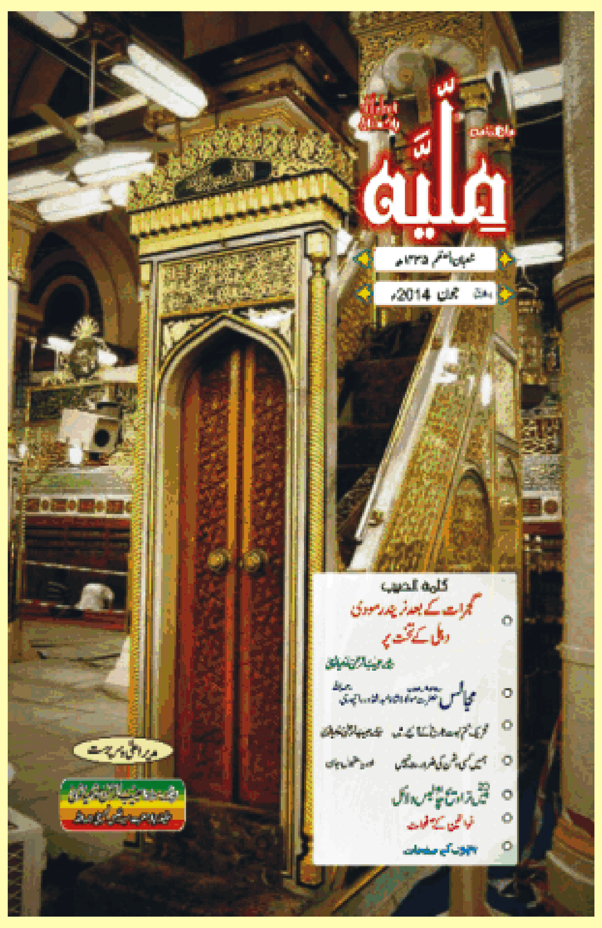
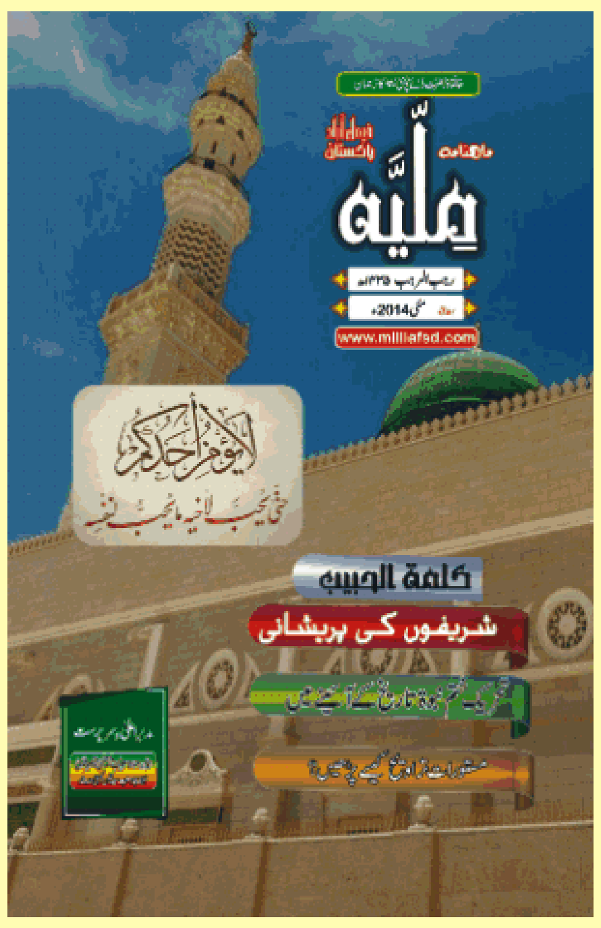
www.milliafsd.com

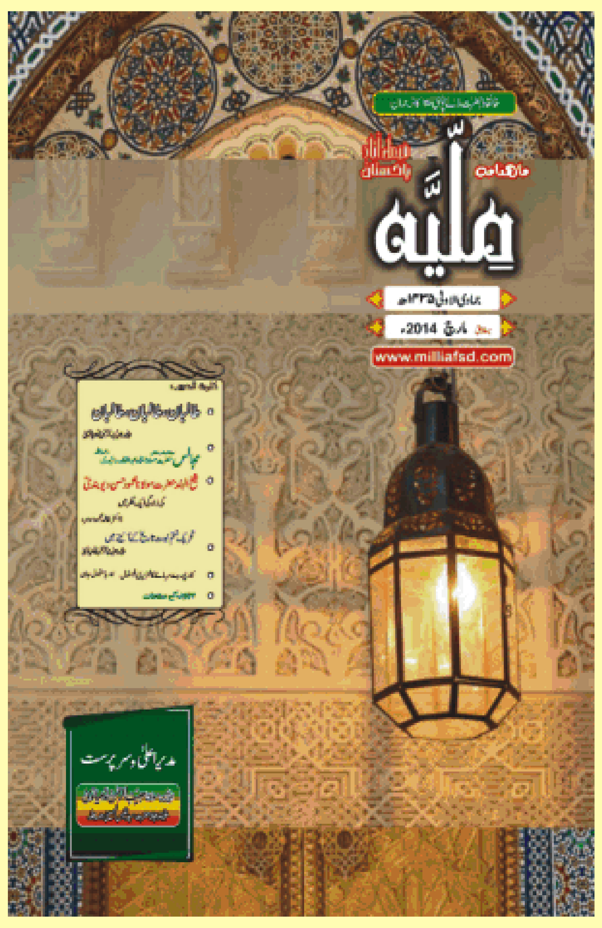
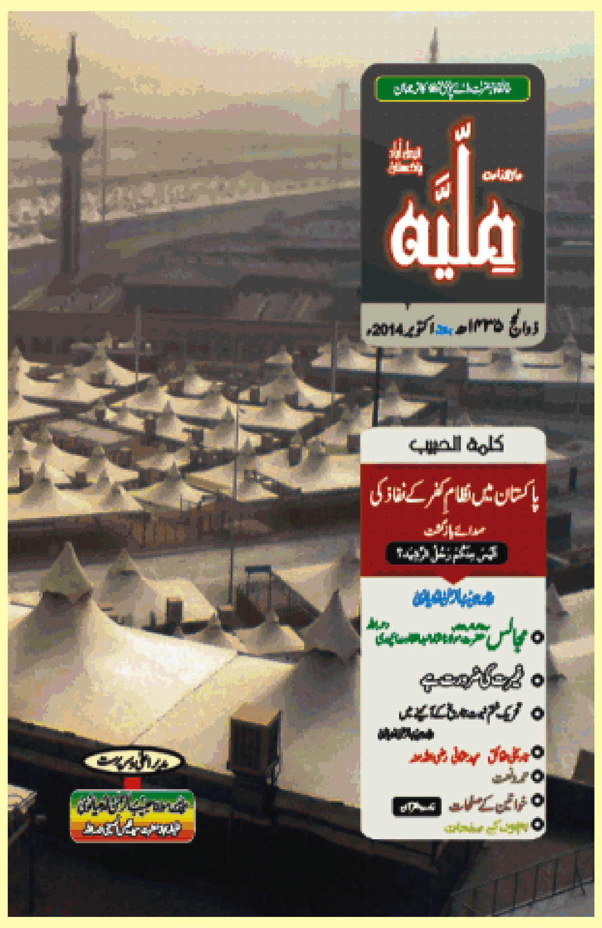
MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN
JAMIA MILLIA ISLAMIA
Reg:M # FD-16

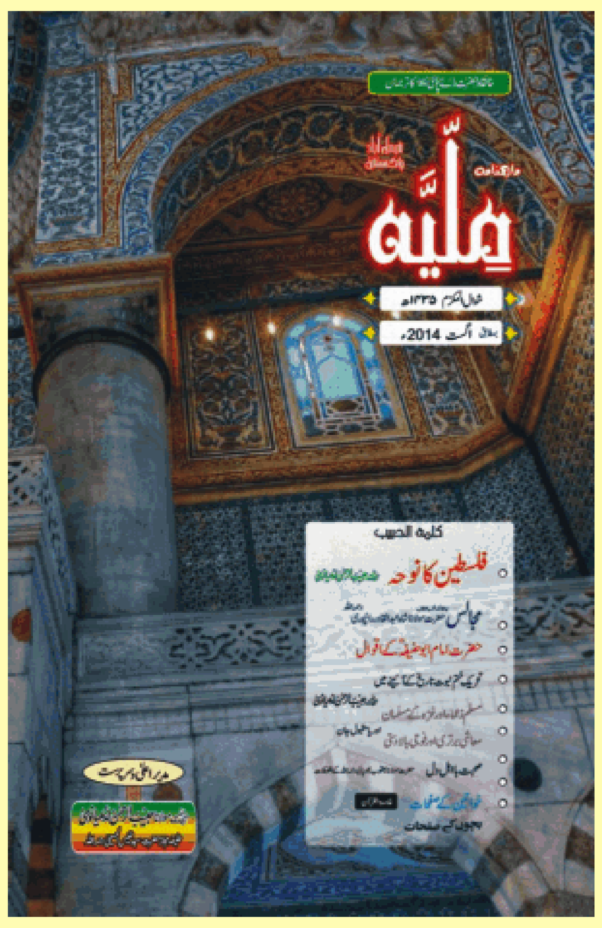
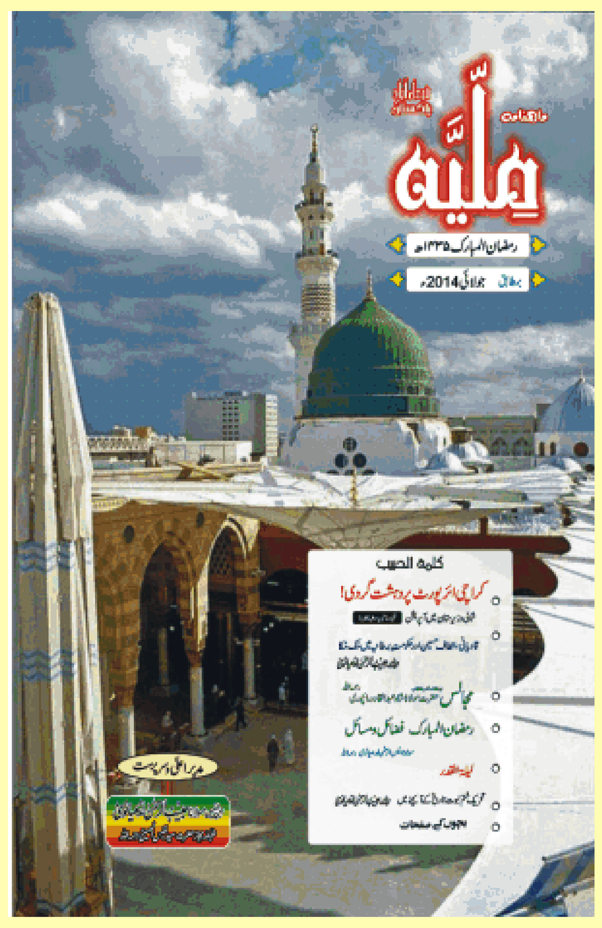
MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@yahoo.com Fax # 041-8502213

الحمد للّٰہ ماهنامه ملیه کی
مسلسل اشاعت کا گیارہواں سال

گذشتہ سال جلد نمبر ۱۰ کے شماروں پر ایک نظر

www.milliafsd.com